ماہِ صیام اور انسانیت کا احترام

قاضی اطہر مبارکپوری

اسلام اس بات کی زیادہ کوشش کرتا ہے۔ اور اس کے مواقع فراہم کرتا ہے کہ کسی انسان پر لوگ بدگمانی نہ کریں۔ اور انسانی معاشرے میں یہ بنیادی مرض کسی طرح گھسنے نہ پائے، انسانی عزت و آبرو کی حفاظت و صیانت کی خاطر اسلام بعض دفعہ بڑی اہم پابندی عائد کر دیتا ہے۔ اور انسان سوچنے لگتا ہے کہ اسلام خواہ مخواہ اس معمولی بات کے لئے کیوں اس قدر زور دیتا ہے۔ مگر چونکہ آدمی اپنی عظمت سے واقف نہیں ہے۔ اس لئے وہ اس کے تحفظ کے اہتمام کو بھی فضول سمجھنے لگتا ہے۔

اسلام انسانیت کے نوک پلک درست کرنے کے لئے آیا ہے۔ اس کی تشریف آوری اس لئے ہوئی ہے کہ وہ انسانی قدروں کو زیادہ سے زیادہ بلند کرے۔ اور جہاں کہیں انسانی زندگی کا کوئی پہلو اتہام، بدظنی، اور الزام تراشی سے زخمی ہو وہاں ہر امکانی کوشش سے یہ کہ کر یہ صورت حال رونما نہ ہونے دے۔ اس سلسلہ میں ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جامع اصول بیان فرمایا ہے کہ اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَم یعنی تہمتوں کی جگہوں سے بچتے رہا کرو، دوسری حدیث میں ہے کہ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَقِفُ مَقَامَ التُّهَم یعنی جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ تہمتوں کی جگہ میں کھڑا تک نہ ہو، مثلاً ایک مسلمان اور عقلمند آدمی کو اجلے اندھیرے وہ راستہ نہیں چلنا چاہیے جو شراب خانوں، قحبہ خانوں اور رقص خانوں کو جاتا ہے، ان گلی کوچوں سے وقت بے وقت نہیں گذرنا چاہیئے۔ جہاں عزت نفس اور شرم و حیاء کے خلاف مظاہرے ہوتے ہوں۔ ایسے لوگوں سے نہیں ملنا جلنا چاہیئے۔ جن کی زندگیاں جرائم و معاصی میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ جن کی راتیں گناہوں کی آغوش میں گذرتی ہیں اور جن کے دن حرام کاری میں بسر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایسے موقع پر لوگ یہی خیال کریں گے کہ یہ اچھا بھلا آدمی بھی اب بے راہ ہو گیا، اسے بھی بردں کی ہوا لگ گئی اور اس کی زندگی بھی اب عزت و شرافت اور ذمہ داری کے درجہ سے نکل کر کمینہ پن پر اتر آئی، دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ لوگ جس آدمی کو اس ڈھنگ پر دیکھتے ہیں اس کے بارے میں اسی قسم کا خیال رکھتے ہیں۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ عام طور سے جب آدمی کا رجحان بدلتا ہے تو وہ بے راہ روی اختیار کر لیتا ہے، یا غلط جگہوں اور غلط لوگوں سے راہ و رسم کرتے کرتے وہ خود بھی غلط کار ہو جاتا ہے۔ اب ہم یہ رویہ اختیار کر کے لاکھ چاہو کہ نیکوں کے نیک بنے رہو مگر ایسا نہیں ہو سکتا۔

اسلام انسان کی روحانی اور مادی زندگی کے دونوں پہلوؤں کو نیک بنا کر اسے اس طرح ترتیب دیتا ہے کہ آدمی میں برائی کا شائبہ تک نہ رہے۔ اور کوئی شخص مسلمان کے بارے میں کسی قسم کی بدگمانی تک نہ کر سکے۔ ہم نے اوپر جو کچھ لکھا ہے اس کی مثال اس تصریح سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ فقہ کی کتابوں میں روزہ کے بیان میں عام طور سے یہ تشریح ملتی ہے کہ:۔

وَاِذَا طَهُرَتِ الْحَائِضُ اَوْ قَدِمَ الْمُسَافِرُ اَوْ بَلَغَ الصَّبِيُّ اَوْ اَسْلَمَ الْكَافِرُ فِي بَعْضِ النَّهَارِ اَمْسَكَ بَقِيَّتَهُ۔ یعنی جب رمضان کے ایام میں دن کے کسی حصہ میں عورت حیض سے پاک ہو جائے یا مسافر گھر پر آ جائے یا لڑکا بالغ ہو جائے یا کافر مسلمان ہو جائے تو یہ سب کے سب دن کے باقی حصہ میں کھانے پینے سے رکیں۔ اس رکنے کی وجہ امام موصلیؒ کتاب الاختیار فی شرح المختار میں یوں فرماتے ہیں

وَاَمَّا اِمْسَاكُ بَقِيَّةِ يَوْمِهِ لِئَلَّا يَتَّهِمَهُ النَّاسُ وَالتَّحَرُّزُ عَنْ مَوَاضِعِ التُّهَمِ وَاجِبٌ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَقِفُ مَقَامَ التُّهَمِ ۝

یعنی مذکورہ بالا لوگوں کا باقی دن کھانے پینے سے رکنا اس لئے ہے کہ لوگ اسے تہمت نہ لگا سکیں کہ یہ روزہ نہیں رکھتا ہے، اور تہمت کی جگہوں سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے وہ تہمتوں کی جگہ پر کھڑا تک نہ ہو (کتاب الاختیار شرح المختار قلمی ورق ۵۶)

دیکھئے کہ اسلام انسانوں کی عزت و حرمت کی حفاظت و صیانت کے لئے کس قدر اہتمام کرتا ہے۔ اور شدت احتیاط میں وہ انسانوں سے یہاں تک اپیل کرتا ہے کہ تم چند گھنٹے بھوکے پیاسے رہ جاؤ مگر کسی کو اپنے دین و ایمان یا اپنی عزت و حرمت کے بارے میں بدگمانی اور غلط فہمی کا موقع مت دو۔ بے شک ان حالات میں اس دن کا روزہ ایسے لوگوں پر فرض نہیں ہے اور ان کو ہر دن کھانے پینے پر عذاب بھی نہیں ہے مگر یہی کیا کم ہے کہ لوگ ان کے بارے میں بدگمانی کر بیٹھیں گے۔ ایک طرف ان احتیاطوں اور اسلام کے حکموں کو دیکھو اور دوسری طرف ان مسلمانوں کو دیکھو جو نہ صرف روزہ نہیں رکھتے بلکہ فرض روزہ کو چھوڑ کر نہایت ڈھٹائی سے ہوٹلوں بازاروں، گلی کوچوں میں کھاتے پیتے ہیں اور اسے بے حیائی اور بے غیرتی نہیں سمجھتے بلکہ اس کو عین روشن خیالی اور بلند کرداری گردانتے ہیں، فیصلہ کرو کہ یہ لوگ عزت مند ہیں یا وہ لوگ جو تہمت کے مقامات سے بچتے ہیں۔

جب صوم کی فرضیت کا منشاہی انسانیت کی قدروں کو بلند کر کے اسے ایمانی، اخلاقی، مادی، روحانی اور جسمانی حیثیت سے "تقویٰ" کے بلند کردار پہ پہونچانا ہے تو پھر روزے کی وقتی فرضیت یا دوسرے ایام میں اس کی قضا یا پھر سرے سے اس کے واجب ہی نہ ہونے کے سلسلے میں کوئی ایسی رخصت کیسے مل سکتی ہے۔ جس سے انسانی زندگی پر حرف آئے اور اس سے دوسروں کی نگاہ میں سبکی ہو، اسلام تو باور کراتا ہے کہ ماہ رمضان کے سارے دن، تمام راتیں، پورے لمحات اور کل گھڑیاں خیر و برکت سے معمور ہوتی ہیں۔ اور پورے شہر رمضان میں روح پروری روحانیت نوازی اور شفا بخشی کی وہ فضا ہوتی ہے۔ جس میں انسانیت رہکر اپنے نقطہ عروج یعنی تقویٰ تک پہونچ جاتی ہے۔ اور اسی یقین و عقیدہ کے ساتھ شہر رمضان میں روزے کی عزیمت اور رخصت کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ زمانہ رسالت میں امید کے باوجود رمضان کا چاند نظر نہ آیا اور یوم شک کی صبح کو ایک دیہاتی مسلمان نے گاؤں سے آکر رویت ہلال کی شہادت دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو ان سے سوال فرمایا کہ کیا تم اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دیتے ہو، یعنی تم مسلمان ہو؟ انھوں نے جب ہاں کہا تو آپ نے نعرہ تکبیر بلند فرماتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کے لئے ان کا ایک بھائی کافی ہے۔ پھر اس یوم شک کو آپ نے یوم صیام ہونے کا اعلان فرمایا:۔

وَاَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادَى اَلَا مَنْ اَكَلَ فَلَا يَاْكُلْ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ وَمَنْ لَمْ يَاْكُلْ فَلْيَصُمْ (کتاب الاختیار قلمی ورق ۵۲)

یعنی آپ نے منادی کو حکم دیا تو اس نے اعلان کیا خبردار! جس آدمی نے کچھ کھا پی لیا ہو تو اب بقیہ دن میں کچھ نہ کھائے پیئے۔ اور جس نے ابتک کھانا نہیں کھایا وہ اپنا روزہ پورا کرے۔

دیکھو یہاں پر بھی اعلان عام کے ذریعہ روزہ کے اس تقدس کو برقرار رکھا گیا اور روزہ نہ رکھنے والوں کو شام تک کھانے پینے سے روک دیا گیا تاکہ روزہ کے دن میں مسلمانوں پر کسی قسم کا اتہام نہ لگایا جا سکے۔ اور کسی طرح ماہ رمضان کی عظمت و افادیت پر اس کے خلاف کام سے حرف نہ آنے پائے۔ اللہ اور رسول کے ان احکام کو دیکھو اور شہر رمضان کی عظمت اور انسانی حرمت و عزت کی حفاظت کو دیکھو پھر بتاؤ کہ وہ لوگ جو مسلمان ہو کر بلا کسی عذر شرعی کے رمضان کے روزے نہیں رکھتے اور نہایت بے باکی سے علی الاعلان کھاتے پیتے ہیں، وہ اللہ و رسول کے اسلامی تعلیم کے شہر رمضان کی حرمت کے اور خود اپنی انسانی عظمت کے باغی ہیں یا نہیں؟ معاملات میں یہ بات ہمیں یاد رکھنی چاہیے کہ کسی امر شرعی کا اپنی غفلت سے نہ کرنا اور اس پر شرمندہ ہونا ایسا کام ہے جو برا ہے مگر اتنا برا نہیں کہ اس کا وبال ساری بستی اور پورے معاشرے پر آ جائے البتہ کسی شرعی کام کو نہ کرنا اور پھر اس کا مذاق اڑانا اپنے قول و عمل سے اسکی وقعت کم کرنا اتنا خطرناک کام ہے کہ اسکی سزا میں پوری قوم پوری بستی اور پورا معاشرہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اور اس باغیانہ اقدام کے نتیجہ میں ادبار کی وہ مار پڑتی ہے کہ پناہ نہیں ملتی۔ در اصل شعائر اللہ کی توہین کا پھل بڑا ہی تلخ ہوتا ہے

مسافرانِ حج و زیارت کی راہ میں
پرانی مشکلات اور نئی سہولتیں

قاضی اطہر مبارکپوری

راہ کی مشکلات

اگر اللہ تعالیٰ نے آپ پر حج فرض کر دیا ہے اور آپ کے حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ حج و زیارت کے لئے جا سکتے ہیں تو ضرور بالضرور چلے جائیے، زندگی کا کیا بھروسہ آج ہے کل نہیں جو سانس آتی ہے غنیمت ہے۔ زمین کی وسعت سمندر کی پہنائی اور فضا کی کشادگی ریلوں جہازوں اور طیاروں کی وجہ سے سمٹ کر سالوں کی مہینوں میں، مہینوں کی ہفتوں میں اور ہفتوں کی دنوں میں اور دنوں کی گھڑیوں میں آچکی ہے، آرام کے لحاظ سے آج سفر اور حضر تقریباً برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ذرا پہلے زمانے میں مسلمانوں کے حج و زیارت کے ذوق و شوق کا اندازہ لگائیے اور پھر اپنے حالات سے مقابلہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ حج و مناسک کی راہ میں کس طرح جنون و عشق کی حد تک پہنچے ہوئے تھے اور اللہ و رسول کے گھروں پر حاضری کے لئے کہاں کہاں سے کیسی کیسی مصیبتیں برداشت کر کے آتے تھے۔

علامہ ابن جبیر اندلسیؒ نے اپنے سفر نامہ میں ذی الحجہ ۵۷۸ھ کا ایک واقعہ لکھا ہے جو اسکندریہ میں پیش آیا۔ یہ زمانہ حضرت غازی سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی حکومت کا تھا جبکہ انھوں نے ایک طرف نصرانیوں کے قبضہ سے بیت المقدس کو آزاد کر کے صلیبی جنگوں کا خاتمہ کیا اور دوسری طرف مغرب اقصیٰ کے عبیدیوں کی طاقت کو توڑ کر ان کے طرح طرح کے جور و ستم اور اسلام و مسلم دشمن حرکات کو ختم کیا، علامہ ابن جبیر لکھتے ہیں کہ اتفاق سے سلطان صلاح الدین ایک روز اسکندریہ شہر کے باہر سیر کو گئے، راستہ میں مسافروں کی ایک جماعت ملی یہ جماعت افریقہ کے شہر طرابلس سے جنگل کی راہ سے آرہی تھی، بھوک اور پیاس کی شدت سے ان سب کی صورتیں متغیر ہو گئی تھیں، سلطان نے ان سے حال اور مقصد سفر دریافت کیا انھوں نے بتایا کہ ہم لوگ حج بیت اللہ شریف کو جا رہے ہیں اور براہ صحرا بہت سی سختیاں اور دشواریاں سہتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں۔ سلطان ان کا یہ برا حال دیکھ کر متاثر ہوا اور اس نے کہا کہ جب یہ ارباب دین و دیانت ایسی مشقتیں برداشت کر کے حج و زیارت کے لئے آتے ہیں تو ان کے لئے وظائف اور امداد کی رقمیں مقرر کرنی چاہئیں، ان کے پاس اگرچہ ہر آدمی کے وزن سونا ہی کیوں نہ ہو جب اللہ کے گھر کے مسافر ہیں اور صعوبت سفر سے ان کا یہ حال ہے کہ تو انکی مدد ضروری ہے اگر کوئی اس کار خیر سے دریغ کرے تو اس پر بہت افسوس ہے۔ (سفر نامہ ابن جبیرؒ)

یہ تو چھٹی صدی کی اس تکلیف کا نمونہ ہے جو مسافرانِ حرم کی راہ میں پیش آتی تھیں اور جسے برداشت کر کے اللہ اور رسول کے عاشق دیار محبوب کی طرف پہونچ جانے کو مقصد زندگی اور حاصل حیات گردانتے تھے۔ آپ ان تکالیف کو دیکھئے اور آج کی سفری راحتوں کو دیکھئے اور فیصلہ کیجئے کہ ان پرانے بزرگوں کے لئے حج کرنا ضروری تھا یا ہمارے لئے ضروری ہے

ٹیکس کی مشکلات

ابھی آپ نے حجاج کرام کی ان تکالیف کا تذکرہ پڑھا جو انھیں سفر کے اندر پیش آتی تھیں اب ذرا ان پریشانیوں کا حال بھی سن لیجئے جو افریقہ کے عبیدیوں کی طرف سے مہمان اللہ و رسول کے لئے مصیبت عظمیٰ بنکر اتری تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو بھی حضرت سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں بڑی حد تک ختم فرما دیا علامہ ابن جبیرؒ لکھتے ہیں۔

عبیدیوں کے عہد حکومت میں ہر حاجی پر ساڑھے سات دینار مصری جو پندرہ دینار مومنہ کے مساوی ہیں محصول (ٹیکس) مقرر تھا۔ اس مواخذہ سے سبکدوش ہونے میں حجاج کو بہت سختی، نقصان اور ذلت سے دوچار ہونا پڑتا تھا بعض حجاج کے پاس اتنا ہی نان خرچ کے لئے ہوتا تھا کہ سفر کسی صورت سے پورا ہو جائے اور بعضوں کے پاس تو اتنی بھی رقم نہیں ہوتی تھی۔ ایسے تمام حجاج کو تمام عذاب ہر طرح طرح کا عذاب دیا جاتا تھا۔ کسی کے فوطے باندھے جاتے تھے اور کسی کے ساتھ اس سے بھی زیادہ بری حرکات کی جاتی تھیں پھر اس سے زیادہ عذاب ان بیچاروں کو جدہ میں دیا جاتا تھا جس کے پاس اس بات کی رسید نہیں ہوتی تھی کہ انھوں نے ٹیکس ادا کر کے اپنا معاملہ صاف کر لیا ہے۔

اس ظلم و ستم کی وجہ سے سفر حج میں سستی پیدا ہو رہی تھی کہ سلطان صلاح الدین جیسے عادل بادشاہ نے اس رسم کو موقوف کر کے اس ٹیکس کے بدلے اہل حجاز کے لئے وظیفہ لیا تاکہ جور و ستم عبیدی حکومت کے حاکم اور گورنر وصول کرتے تھے وہ خود اٹھاتے پڑتے ہیں لہذا کچھ اہل حجاز کو دیتے ہیں اس کا انتظام دوسری طرف سے ہو جائے چنانچہ سلطان نے اس کام کے لئے ایک ضلع کی تمام آمدنی وقف کر دی ہے اور حجاز تک پہنچانے کا انتظام بھی کر دیا ہے اور اس شعبہ کا نام "میرۃ ملدرد المدینہ" رکھا ہے (سفر نامہ ابن جبیرؒ)

چھٹی صدی ہجری میں اسلام کے نام پر افریقہ کے عبیدی حرمین شریفین کے مسافروں سے اتنا گراں ٹیکس اس سختی سے اور ذلت کے ساتھ وصول کرتے تھے کہ اچھے اچھے عزت دار بردار ان کی سختیوں سے سہمتے تھے۔ مگر ان تمام مظالم اور ذلت کے باوجود مسلمانوں نے اللہ و رسول کے گھر کو ہمیشہ اپنے دل میں رکھا اور ایک دن کے لئے حج و زیارت کی عظمت سے غافل نہ ہوئے۔

آج تو ہم پر کوئی ٹیکس بھی نہیں ہے۔ سعودی ٹیکس کئی سالوں سے حجاج پر لاگو تھا خدا کے فضل و کرم سے وہ بھی ختم ہو چکا ہے، ہندوستان میں بھی حج کے لئے کوئی ٹیکس نہیں ہے، البتہ ایک پابندی حکومت ہند نے لگائی ہے، وہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے یہاں انکم دیتے ہیں یا نہیں دیتے ہیں دونوں قسم کے لوگ اس بات کی رسید اپنے یہاں کے حکام سے حاصل کر لیں کہ ہمارے ذمہ اگر ٹیکس تھا تو ادا ہو چکا ہے اور اگر سرے سے تھا ہی نہیں تو بھی رسید اسکی شہادت ہے کہ ہم پر ٹیکس لاگو نہیں ہے، یہ پابندی اگرچہ حجاج کے لئے بہت ہی تکلیف دہ ہے اور حکومت سے اسکے ختم کرانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ مگر افریقہ کے عبیدیوں کے ٹیکس اور اسکی وصولی کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی ہے پس اے مسلمانو! اگر تم پر حج فرض ہے تو آج سستی اور غفلت کیوں ہے۔

سمندر کی مشکلات

علامہ ابن جبیر جب اپنے وطن اندلس سے حج کے ارادہ سے چلے تو سمندر کے خطرات میں اپنا جہاز ڈال دیا اور نظر خدا پر کی، ایک دن کا واقعہ ہے کہ بدھ کے دن شام کو ہوا تیز چلنے لگی، ہوا کی شدت سے سمندر میں طوفان پیدا ہو گیا اور اس قدر زوردار بارش ہوئی کہ ہر بوند تیر و نشتر معلوم ہوتی تھی اس خوفناک حالت سے تمام اہل جہاز کو سخت اضطراب ہوا ہر طرف سے پہاڑوں کی طرح موجیں اٹھنے لگیں۔ ساری رات اسی طرح گذری امید تھی کہ صبح کو صورت حال میں آسانی ہوگی، مگر آج طوفان نے رات سے زیادہ سر اٹھایا، سمندر میں تموج اور زیادہ ہو گیا، افق پر سیاہی چھا گئی ہوا اور تیز چلنے لگی بارش کی شدت ہوئی کہ اس طوفان میں ہمارے جہاز کا کوئی بادبان صحیح و سالم نہ رہا ناچار چھوٹے چھوٹے پردوں کا استعمال کیا گیا ان میں سے بھی ایک پردہ کو ہوا نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، جس مستول پر پردے بندھے تھے وہ بھی ٹوٹ گیا۔ ان حوادث سے جہاز کے تمام مسافروں کی ناامیدی اور مایوسی بڑھ گئی۔ مسلمانوں نے دست دعا بلند کیا اور بارگاہ الٰہی سے اس سے نجات کی دعا کی تو دن بھر یہی حالت رہی مگر ہوا کے ہونے کی وجہ سے ہمارا جہاز برابر تیز رفتاری سے چلتا تھا اور تمام دن جزیرہ صقلیہ کے مقابل گذرتا رہا پنجشنبہ کی رات میں طوفان کسی قدر کم ہوا اور ہم نے ساری رات سمندر میں امید و بیم میں گذاری جب صبح ہوئی تو رحمت الٰہی کے آثار نمودار ہوئے ہوا صاف ہو گئی بادل پھٹ گیا آفتاب چمکنے لگا، سمندر میں سکون ہوا اہل جہاز کی وحشت دور ہوئی اور آپس میں مبارکبادی ہونے لگی۔ (سفر نامہ ابن جبیر صفحہ ۵)

پہلے زمانہ کے بادبانی جہازوں کی یہ ایک رات تھی اس سے آپ اندازہ فرمائیے کہ پہلے زمانہ میں سمندری سفر کس قدر مشکل ہوتا تھا، آج زمانہ کی ترقی آپکا حق نے ایسے ایسے دخانی جہاز بنائے ہیں جو سمندروں کے سینوں کو چیرتے ہوئے موجوں کو پھاڑتے ہوئے طوفانوں سے ٹکراتے ہوئے منزل مقصود کی طرف بھاگے چلے جاتے ہیں اگر آپ پر حج فرض ہے تو پھر کون چیز مانع ہے۔

خوب یاد رکھئے استطاعت رکھنے کے بعد حج نہ کرنا بہت ہی غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے اور اس کے بعد کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ مسلمان مسلمان رہکر دنیا سے جائے گا، یا یہودی اور نصرانی ہو کر مرے گا پس رسول اللہ کی اس وعید سے ڈریئے اور اسلام کے بعد کفر و شرک کی موت کے احتمال سے بھی دور رہیئے۔

اللہ کے گھر کی ابدی خصوصیات — (قاضی اطہر مبارکپوری)

علامہ ابو علی احمد ابن عمر ابن رستہ المتوفی سنہ ۲۹۰ھ مسلمانوں میں بہت بڑے مورخ اور جغرافیہ نویس گذرے ہیں ان کا زمانہ تیسری صدی کا زمانہ ہے جبکہ دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی شان و شوکت نہایت عروج پر تھی اور مسلمانوں نے کرۂ ارض کے ایک ایک چپہ کو چھان مارا تھا اور ہر جگہ کے حالات کو اپنی کتابوں میں لکھ ڈالا تھا، علامہ ابن رستہ کی کتاب "الاعلاق النفیسہ" اسلامی جغرافیہ کی بہت بڑی کتاب ہے، یہ کتاب کئی جلدوں میں ہے، مکمل کتاب اب تک چھپ نہیں سکی ہے ساتویں جلد مستشرقین یورپ کی علمی دلچسپی کی وجہ سے ۱۸۹۱ء میں لیدن میں طبع ہو کر شائع ہوئی ہے اس کتاب میں مکہ معظمہ اور کعبہ کے حالات میں "خصائص الحرم" کے عنوان کے تحت لکھا ہے:۔

(۱) حرم کعبہ کی خصوصیات میں سے یہ بات ہے کہ بھیڑیا کسی ہرن کا پیچھا کرے اور وہ ہرن بھاگتا بھاگتا حرم میں داخل ہو جائے تو پھر بھیڑیا اس سے باز آجاتا ہے۔

(۲) کعبہ پر وہی کبوتر گرتا اور بیٹھتا ہے جو بیمار ہو، اس بات کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب کہ اس کی تحقیق ہو اور بیٹھنے والے کبوتر کی حالت کا پتہ چلایا جائے، بحالتِ صحت کوئی کبوتر کعبہ پر نہیں اترتا ہے۔

(۳) جس سال بارش کا زور کعبہ کے اس حصہ کی طرف ہوتا ہے جو عراق کی جانب ہے تو اس سال عراق میں خوب تر و تازگی اور پیداوار میں افراط ہوتی ہے اور اگر بارش کعبہ کے اس حصہ کی طرف ہوتی ہے جو شام کی جانب ہے تو اس سال ملک شام کا علاقہ تر و تازہ رہتا ہے اور وہاں بارش ہوتی ہے اور اگر بارش کعبہ کی ہر جانب یکساں ہوتی ہے تو اس کے اطراف و جوانب کے تمام ملکوں میں اور شہروں میں خوب بارش ہوتی ہے اور پیداوار اچھی ہوتی ہے۔

(۴) جو کنکریاں رمی جمار کے موقع پر استعمال کی جاتی ہیں وہ باوجودیکہ ایک زمانہ سے اس مقام پر جمع ہوتی ہیں مگر اس کے باوجود ایک خاص مقدار میں رہتی ہیں، نہ گھٹتی ہیں اور نہ بڑھتی ہیں حالانکہ لوگ ان کو اٹھاتے ہیں نہ سیلاب ہی ان کو بہا لیجاتا ہے اگر اس جگہ قدرت کی نشانی کا مظاہرہ نہ ہوتا تو کنکریوں کا پہاڑ بن جاتا۔

(۵) مکہ والوں کی عادت ہے کہ ان کے غلاموں میں سے جو بھی کعبہ پر چڑھ جاتا ہے تو وہ ان کے نزدیک آزاد ہو جاتا ہے وہ لوگ کعبہ کی بلندی پر پہونچ جانے والے کی غلامی کو جائز نہیں سمجھتے۔ ان کے یہاں کعبہ کی بلندی کی عزت اور غلامی کی ذلت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔

(۶) مکہ میں ایسے صلحاء اور نیک ہیں جو کبھی کعبہ کے اندر اسکی عظمت کے خیال سے داخل نہیں ہوتے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی کفار مکہ کعبہ کی عظمت کے پیش نظر مربع عمارت تعمیر نہیں کرتے تھے اور سب سے پہلے مکہ میں جس نے زمانہ جاہلیت میں کعبہ کی طرح چوگوشہ مکان تعمیر کیا وہ حمید بن زہیر ہے جو بنی اسد بن عبد العزیٰ قبیلہ کا ایک شخص تھا۔

(۷) آب زمزم کی برکت اور شفا اس کا ہر پینے والا ہمیشہ سے پاتا ہے یہ تجربہ زمانہ دراز سے وہاں کے لوگوں کی ایک بڑی جماعت کرتی چلی آئی ہے، جسکو بخار نہیں چھوڑتا ہے وہ آب زمزم کے پاس چلا آتا ہے اور وہیں مقیم رہکر پانی استعمال کرتا ہے اور شفایاب ہو جاتا ہے۔

(۸) اس کعبہ کی حفاظت و عظمت کے لئے اصحاب فیل کی تباہی "طیراً ابابیل" اور حجارہ سجیل کے واقعات ظہور پذیر ہوئے۔

(۹) کعبہ ہمیشہ سے دار الامن رہا ہے یہاں پر نہ کوئی معمولی آدمی اذیت پاتا ہے اور نہ بادشاہ کو بدلہ لینے کی اجازت ہے اسی لئے تو اسے البیت العتیق کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ سے ایک آزاد مقام رہا ہے اور اس پر کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتی "الاعلاق النفیسہ طبع یورپ صـ۵۷ تا صـ۵۸"

یہی کعبہ وہ مقام ہے جسے قرآن نے "مثابۃ للناس و امنا" سے یاد کیا ہے جو اسلامی تحریک کا دائمی مرکز ہے اور جو عہد ابراہیمی سے لیکر آج تک اور پھر قیامت تک دینی تحریک کا مرکزی مقام رہا اور رہیگا۔ اس پاک و مقدس گھر کی حاضری کو اسلام نے ہر ایسے مسلمان کے لئے فرض قرار دیا ہے جو یہاں تک آنے کی خوش نصیبی اور سعادتمندی حاصل کر سکتا ہے یہ کعبہ توحید کی سب سے بڑی تربیت گاہ ہے اور روحانیت کی سب سے بڑی درسگاہ ہے اور انسانیت و آدمیت کی سب سے بڑی پناہ گاہ ہے۔ پس اسے دنیا بھر کے مریضانِ قلب و نظر! اے آفاق کے ٹھکرائے ہوئے بے نواؤ! جاؤ اللہ کے گھر کا رخ کرو اور اخلاق و انسانیت عقیدہ و کردار کی بلندی پر چلکر لو۔ یہاں کے جانوروں گھاس اور تنکوں کو امن ہے تم تو انسان ہو تمہارے لئے رحمت خداوندی اپنی آغوش وا کئے ہوئے ہے اپنی پناہ میں

عید کی رات

آج خدا خدا کرکے اللہ تعالیٰ کے فرض کئے ہوئے ایک ماہ کے روزے ہم کمزور بندوں سے پورے ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل کا پورا ایک مہینہ ہم سے جدا ہو رہا ہے ذرا غور تو کیجئے ایک ماہ تک ہم نے انسانیت کے وحشیانہ اور بہیمانہ پہلوؤں کو دبا کر شریفانہ اور کریمانہ قدروں کو اجاگر کیا ہے اور لیلۃ القدر کی لامتناہی برکتوں سے ہم خیر و برکت سے کتنے قریب ہوگئے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ہماری بھوک، پیاس اور دوسری چیزوں کو قبول فرمالے تو ہم عزت و عظمت کے عرش پر پہونچ جائیں ورنہ یہ سب کیا دھرا بیکار ہے، بہر حال اپنے پروردگار کی رحمت سے بھروسہ ہی ہے کہ ہم اپنے کام میں انعام کے مستحق ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بڑا حصہ ملنے والا ہے،

آج چاند رات ہے، آخری روزہ افطار کرنے کے بعد ہم اپنے پروردگار کی ہدایت کے مطابق سارى رات ایک نہایت ہی بابرکت اور مسرت بخش کام میں مشغول ہو جائیں گے اور اسکی پاکی و برتری کے گن گائیں گے،

حضرت امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے اساتذہ اور دوسرے اہل علم سے سنا ہے کہ قرآن کریم میں روزہ کے بیان کے سلسلہ میں جو فَتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ آیا ہے اس سے ماہ رمضان کا پورا کرنا ہے اور اسکے بعد جو وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ آیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ماہ رمضان کے آخر دن میں آفتاب غروب ہونے کے بعد اللہ کی تکبیر کرو اور اسکی بڑائی بیان کرو (سنن بیہقی ج۳ ص۲۷۸)

چنانچہ آج رات ہلال عید کے چرخ گردوں پر جلوہ گر ہو جانے کے بعد ہم بھی رات بھر اپنے پروردگار کی تکبیر و تہلیل میں لگ جائیں گے اور اللہ کا شکر ادا کریں گے کہ اے پروردگار! تو نے ہی توفیق دی کہ ہم نے تیرے حکم پر چلکر ایک ماہ کے روزے رکھے اور اس ابتلا اور آزمائش میں پورے اترے اب تیرے ہی فضل و کرم سے اس کا اجر بھی ہمیں ملیگا، آج رمضان کی بابرکت گھڑیاں ختم ہو چکی ہیں اور ہلال عید نمودار ہو چکا ہے، اس رات کے خاتمہ پر "صبح عید" ہے، ہمارے لئے تو عید کی حقیقی مسرت اسی وقت ہے جبکہ تو ہمیں اپنے انعام و اکرام سے نوازے اور ہمیں حقیقی خوشی منانے کا موقع دیدے، عید کی رات میں تکبیر و تقدیس کی مقدس آوازیں صحابہ کرام اور تابعین عظام کے گھروں سے اور ان کی مسجدوں سے بلند ہوا کرتی تھیں اور صبح عید کا استقبال اللہ والے اللہ ہی کی تکبیر و تعظیم کے نعروں سے کیا کرتے تھے، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق ہے کہ آپ لیلۃ الفطر میں تکبیر کہا کرتے تھے یہاں تک کہ صبح کو عیدگاہ چلے جاتے تھے عام صحابہ کرام کے بارے میں روایت ہے کہ كَانُوا فِي التَّكْبِيرِ فِي الْفِطْرِ أَشَدَّ مِنْهُمْ فِي الْأَضْحٰى یعنی صحابہ کرام عید الفطر میں عید الضحیٰ سے زیادہ تکبیر کا اہتمام کرتے تھے، نیز عن جماعة من التابعين أنهم كانوا يكبرون ليلة الفطر في المسجد يجهرون یعنی تابعین عظام کی ایک جماعت کے بارے میں روایت ہے کہ وہ حضرات عید الفطر کی رات میں مسجدوں کے اندر بلند آواز سے تکبیر کہا کرتے تھے،

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ لوگ عید کے موقع پر تکبیر نہیں کہتے آپ نے ان لوگوں سے کہا کہ "خدا کی قسم ہے تم لوگ یہ کام کرو۔ ہم نے اپنے کو اسلامی فوجوں میں اس طرح دیکھا ہے کہ فوجی لوگ آپس میں اس طرح تکبیر کہتے تھے کہ تمام میدان گونج اٹھتا تھا جس طرح زمین اور آسمان کا درمیانی حصہ آواز سے بھر جاتا ہے۔ عید کی رات بعض روایات کی بنا پر قبولیت دعا کی رات بھی ہے اور اللہ کے بندے اللہ کی رحمتوں سے بہت کچھ حاصل بھی کرسکتے ہیں، حضرت امام شافعی فرماتے ہیں، علمائے سلف فرماتے تھے کہ پانچ راتوں میں دعائیں مستجاب ہوتی ہیں جمعہ کی رات، عید الضحیٰ کی رات، عید الفطر کی رات، ماہ رجب کی پہلی رات اور نصف شعبان کی رات (سنن کبریٰ امام بیہقی طبع حیدرآباد ص۳۱۹ ج۳) ان روایات کے لئے سنن بیہقی ج۳ ص۳۷۹ اور ۳۸۰ دیکھیے۔

پس ہم بھی اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے غلاموں کی پیروی میں عید کی رات میں جاگ کر تکبیر و تہلیل کا سماں قائم رکھیں گے اور نیکی کرکے عید کی رات کو واقعی اپنے لئے خوشی کی رات منائیں گے اور اس میں برائی کرکے "لیلۃ عید" کو "لیلۃ وعید" نہیں بنائیں گے۔

ضرورت ہے کہ آج کی رات مسلم بستی کا ہر گھر، ہر مسجد اور ہر مجمع اللہ کی تکبیر و تہلیل اور اسکی تقدیس کے نعروں سے گونج اٹھے اور دنیا سمجھ لے کہ قدوسیوں کے جشن بھی مقدس ہوتے ہیں۔

عید کی صبح

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم نے عید کی رات اللہ کی تکبیر و تہلیل میں گذاری اور صبح تک ہمارے گھروں ہماری مسجدوں اور ہمارے مجمعوں سے "اللہ اکبر" کی صدائیں بلند ہوتی رہیں، اب وقت آگیا ہے کہ ہم تکبیر و تقدیس کے نغموں سے آبادی و کہسار کو بھر دیں اور بستی کے گلی کوچوں اور بازاروں میں ہم اپنے مقدس تہوار کی تقدیس اجاگر کردیں، تاکہ دنیا دیکھ لے کہ خدا پرستوں اور موحدوں کی خوشی کے مظاہرے بھی خدا پرستی سے خالی نہیں ہوتے بلکہ ان میں شرافت، اخلاق، انسانیت اور کردار کی بلندی کا مظاہرہ بھی بدرجہ اتم ہوتا ہے، آج کی صبح ہم مسلمانوں کے لئے بہت ہی پاکیزگی و مسرت کی صبح ہے، ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صبح کو ہمارے لئے مادی و روحانی صفائی اور آرائش کی ساعت ٹھہرائی ہے، ہم اندھیرے منہ اٹھکر غسل کرینگے عطر اور دوسری خوشبو بقدر استطاعت استعمال کریں گے، اللہ نے جیسا کپڑا دیا ہے ویسا اچھا کپڑا پہنیں گے سر پر لگائیں گے، مسواک کریں گے، ان ظاہری اور بادی صفائیوں کے ساتھ باطنی اور روحانی صفائی بھی کریں گے، کیونکہ ابھی تک ہم باطنی صفائی سے بے نیاز نہیں ہوئے، ایک ماہ تک کے روزے رکھنے نمازیں پڑھنے اور خیر و برکت کے دریا میں غوطہ زن رہنے کے باوجود ہم کبھی اپنی تقدیس کا گن نہیں گاتے اور اپنے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوتے

چنانچہ ہم عید کی صبح میں بھی اپنے وظیفۂ خیر و برکت پر عمل کریں گے اور اپنی ذات کی طرف سے اور اپنے چھوٹے آل اولاد کی طرف سے نیز ان لوگوں کی طرف سے جن کے ہم کفیل ہیں صدقۂ فطر ادا کریں گے اپنی مسرت میں ان لوگوں کو بھی شریک کریں گے جو کسی معاشی، یا معاشرتی ناگواری کے باعث خوشی میں حصہ نہیں لے سکتے، خدا ہمارے اس اقدام میں برکت دے اور اپنے مسرت کے لمحات میں غیروں کے رنج و غم کے یاد رکھنے کی توفیق دے۔

اس کے بعد شہر کے باہر کسی کھلی جگہ میں "عید" کا دوگانہ ادا ہوگا جہاں بستی کے مسلمان جوق در جوق جائیں گے ان کی راہیں خیر و برکت کے نغموں سے معمور ہونگی اس مقدس جلوس کی راہیں بھی مختلف ہوں گی تاکہ دنیا کی نگاہ دیکھ لے کہ قدوسیوں کے مظاہرے نزاکت، پاکیزگی اور روحانیت و لطافت میں کس قدر معیاری ہوتے ہیں۔

بہر حال چھوٹے بڑے حسب استطاعت مسرت کے مظاہروں میں گھرے ہوئے عیدگاہ میں جمع ہوں گے اور خدائے بلند و بالا کی جناب میں کھلے میدان میں اس زمین کے فرش پر اس آسمان کے نیچے پھر آخری مرتبہ خدا کے نیاز مندانہ اس کے سامنے سربسجود ہوکر شکر و اطمینان کی فضا پیدا کردیں گے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے اعمال کی قبولیت و پذیرائی کی دعا کریں گے۔

عید کا دن

مسلمان وظیفہ دوگانہ ادا کرنے کے بعد نہایت متانت و سنجیدگی اور سکون و وقار کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں گے، واپسی پر بھی وہی تکبیر و تقدیس کے نغمے ہوں گے، وہی تواضع و انکساری کی مسرت بخش صورتیں ہوں گی اور سکون و اطمینان کی وہی نیاز مندانہ سانسیں ہوں گی، ہمارے لئے آج ضروری ہے کہ اپنے مُردوں اور گذرے ہوئے لوگوں کو بھی یاد کرکے ان کے لئے دعائے مغفرت و بلندیٔ درجات کریں، نماز کے بعد قبرستان جاکر شہر خموشاں کے ان باشندوں کو مسرت و خوشی کا پیغام سنا آئیں اور چند کلمات خیر کہکر خدا سے ان کی مغفرت کی دعا کریں۔

نماز عید کی ادائیگی کے بعد مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد دیں گے کہ ایک ماہ کی آزمائش کے دن بخیر و خوبی گذر گئے اب اللہ تعالیٰ قبول فرمائے چنانچہ خالدین

معدان سے روایت ہے کہ میں نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے عید کے دن ملاقات کی تو کہا تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكَ (یعنی اللہ تعالیٰ ہم سے اور آپ سے قبول فرمائے) تو آپ نے فرمایا نَعَمْ تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكَ ۔ پھر حضرت واثلہ نے فرمایا کہ میں نے بھی ایک مرتبہ عید کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور عرض کیا تھا تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكَ نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ اموی کے خادم ادہم کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے عیدین میں تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ کہا کرتے تھے تو آپ اس کا جواب دیتے ہوئے اسی جملہ کو لوٹا دیا کرتے تھے اور اس کا انکار نہیں کیا کرتے تھے

ان روایات کے پیش نظر ہم اپنے مسلمان بھائی سے اگر عید ملیں گے بھی تو اس میں وہی تصورات کارفرما ہوں گے اور خدا کی عظمت اور بندہ کی حقارت کا نظریہ کام کریگا ہم کسی بھی موقع پر خدا کو بھول کر سرمستی میں مبتلا نہیں ہو سکتے ہیں ۔ اسلام نے ہر موقع پر ہمیں اپنے فرائض کے بارے میں جوابدہ ٹھہرایا ہے ۔ نیز عید کے دن ہمارے اجتماعی اور جماعتی کام بھی انجام پائیں گے اور قومی کرداروں کے مظاہرے بھی ہوں گے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن نماز کے بعد دینی اور ملی کام مثلاً جہاد کے لئے چندہ فرمایا ، وعظ فرما کر عورتوں کی صف میں آپ گئے ہیں اور عورتوں نے دل کھول کر چندہ دیا ہے (بخاری شریف)

آپ نے اس دن گھوڑوں کی دوڑ بھی دیکھی ہے اور اس میں شرکت فرمائی ہے ، اسلامی جہاد کے لئے عید کی نماز سے فراغت کے بعد لشکر اور فوج کو بھی روانہ فرمایا ہے ، غرض عید کا دن ہمارے قومی ، دینی ، ملی ، روحانی اور مادی مسرتوں اور قدروں کے مظاہرہ کا دن ہے اور دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں ہم مسلم قوم کے کردار کے نمایاں کرنے کا ہے اور اپنی خصوصیات کے گنانے کا دن ہے ہم اس دن بھی اپنے اللہ اپنے رسول اور اپنے اسلام کے سامنے جوابدہ ہیں اگر اس ذمہ داری کے ساتھ ہماری عید گذرتی تو ہمیں "عید مبارک"۔

قاضی اطہر مبارکپوری

حج اور حقوق العباد:- خدا کی راہ میں نکل پڑنا محض طاقت و توانائی ہی کا کارنامہ نہیں ہے بلکہ اس مقدس طاقت کا نتیجہ ہے جو جوانی اور پیری کی حدود سے باہر ہوتی ہے۔ اس طاقت کو عشق حقیقی تشکیل دیتا ہے اور اطاعت خدا و رسول اسکو جلا دیتی ہے اور اسکا فیضان مشیت ایزدی کی طرف سے ان انسانوں پر ہوتا ہے جو دین و دیانت اور روحانیت کے وارث ہوتے ہیں،

مشہور صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک مشاہدہ عین حج کے موقعہ پر کعبہ کے زیر سایہ ظہور پذیر ہوا، آپ نے یمن کے ایک آدمی کو دیکھا کہ اپنی پشت پر اپنی ماں کو لادے ہوئے کعبہ کا طواف کر رہا ہے اور ساتھ ہی عالم وجد و نشاط میں یہ شعر پڑھتا جاتا ہے ؂

انی لہا بعیرہا المذلل ۔ ان اذعرت رکابہا لم اذعر

اے ابن عمر میں اپنی ماں کے لئے تابعدار سواری ہوں، اگر مجھے اس سوار سے خطرہ بھی دلایا جائے تو میں گھرا نہیں سکتا

طواف ختم کر لینے کے بعد اس یمنی مرد خدا نے آپ سے نہایت عجز و انکساری کے لہجہ میں دریافت کیا:- یا ابن عمر اترانی جزیتہا - کیا اس خدمت سے میں نے اپنی ماں کا بدلہ دیدیا:- لا ولا بزفرۃ واحدۃ - نہیں ایک سانس کے برابر بھی نہیں! حضرت ابن عمرؓ نے کہا اللہ اکبر! حقوق العباد انسان کے اوپر کتنے گراں بار ہوتے ہیں کہ حقوق اللہ کی ادائیگی کے وقت بھی ان کی ادائیگی جاری رہتی ہے، پھر بھی خلاصی مشکل معلوم ہوتی ہے۔

اے خدا کی راہ میں جانے والے مسافران حرم! بتاؤ تم نے خدا کی راہ میں نکلنے سے پہلے اپنے ماں باپ، دوست احباب، خویش آقارب ہمسایہ اور دوسرے متعلقین کے حقوق ادا کئے ہیں یا نہیں اور حقوق اللہ کی ادائیگی کے لئے فراغت اور یکجہتی کا سامان کر لیا ہے یا نہیں؟

کعبہ کی مرکزیت اور مسلمان حضرت زید بن اسلمؓ سے روایت ہے، کہ جس وقت حضرت آدم علیہ السلام جنت سے ہندوستان (لنکا میں) بھیجے گئے اور جنت کی جدائی پر ان کو بہت رنج ہوا تو انھوں نے اللہ تعالے سے اس کے بدلہ میں کوئی ایسی جگہ مانگی جہاں اسکی عبادت کر سکیں، اللہ تعالے نے وحی کے ذریعہ فرمایا کہ اس مقصد کے لئے مکہ کی راہ لو چنانچہ آپ نے مکہ کی راہ لی اور راستہ میں جہاں جہاں آپ نے منزل کی آبادی ہو گئی، حضرت مجاہد رح سے روایت ہے:- لم یزل البیت منذ اہبط اللہ آدم الی الارض معظما محرما بیتا تحجہ الامم والملل امۃ بعد امۃ وملۃ بعد ملۃ حتی بوا اللہ مکانہ لابراہیم :- یعنی جب سے اللہ تعالی نے حضرت آدم کو زمین پر بھیجا اس وقت سے بیت اللہ ایک معظم و محترم گھر کی حیثیت سے رہا کیا اور مختلف امتیں، مختلف ملتیں یکے بعد دیگرے اس کا حج کرتی رہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے اس گھر کو حضرت ابراہیم کے لئے ان کی تحریک توحید کا مرکز بنا دیا۔ (الاعلاق النفیسہ ص ۲۵)

کعبہ نزول آدم سے لیکر آجتک خدا پرستوں اور خدا کے طلبگاروں کا مرکز رہا ہے، حضرت آدم کے بعد حضرت نوح اور ان کے بعد تمام پیغمبروں کی دعوت وحدت کا مرکزی مقام رہا ہے اور تمام دنیا کی روحانیت پسند اور خدا پرست قوموں اور ملتوں نے اس سے اپنا علاقہ قائم رکھا آخر میں دین حنیف کے اولین داعی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام روحانی اور دینی تحریکات کو سمیٹ کر ایک ملت اسلام کی بنیاد ڈالی اور اس کا مرکز کعبہ کو قرار دیا۔

اے حجاج کرام! آپ اس مرکز پر جا رہے ہیں سوچیئے کہ یہاں جاکر آپکو کیا مرکزیت ملنی چاہیئے۔ اور اخلاق و دیانت اور انسانیت و روحانیت کا کتنا حصہ آپکو ملنا چاہیئے۔ ضرورت ہے کہ آپ اس مرکز سے اس قدر دولت لائیں کہ آپکی بستی بھی اسکی برکت سے مالامال ہوجائے کیونکہ آپ اس مرکز پر اپنی بستی کے دینی نمائندے کی حیثیت سے جا رہے ہیں، پس آپ وہاں جاکر دین و دیانت اور حنفیت و روحانیت سے اس قدر معمور ہو جائیں کہ آپ کے قدوم کے بعد آپ کا ماحول بھی انوار و تجلیات سے معمور ہو جائے۔

روزی اور اخلاق دنیا میں جب انسان آتا ہے تو اپنے ساتھ اپنی زندگی اپنی روزی اور اپنی ہر حرکت اور ہر سکون کی مقدار بھی لے کر آتا ہے، جسے قضا و قدر کے دربار سے اس کو عطا کیا جاتا ہے اور پھر اس دنیا میں ان ہی قدروں کے ماتحت زندہ رہکر ختم ہو جاتا ہے، اس نظام زندگی کی حدبندی کا نام شریعت کی زبان میں قضا و قدر ہے یہ سلسلۂ قضا و قدر صرف مادی زندگی اور اسکی ضروریات تک محدود نہیں ہے بلکہ انکے اخلاق و روحانیت اور دین و دیانت تک اسی نظام تقدیر کے بس میں ہیں، اس حقیقت کو ہمارے رسول حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حقیقت ترجمان نے یوں بیان فرمایا ہے:-

ان اللہ قسم بینکم اخلاقکم کما قسم بینکم ارزاقکم (الحدیث) "اللہ تعالی نے تم لوگوں میں تمہارے اخلاق کی تم [illegible] یوں تقسیم فرمائی ہے جس طرح تمہاری روزیوں کی تقسیم ہے"۔

پس اے مسلمانو! جس طرح روزی سے تم اپنے مقسوم اور حصہ کی تلاش کے لئے کوشش کرتے ہو اور شکم پروری اور زندگی کے لئے رزق حلال اور اکل طیب کے لئے سرگرداں رہتے ہو، حالانکہ تم کو یقین ہے کہ روزی کا جو حصہ نظام قضا و قدر سے تم کو مل چکا ہے وہ کسی نہ کسی طرح تمہیں ضرور ملے گا اس طرح تم اچھے اخلاق عمدہ عادات اور بہترین خصائل کی تلاش میں بھی سرگرداں رہکر اپنی روح کے لئے رزق حلال اور اکل طیب کو فراہم کرو۔

اسلام نے اخلاق کو انسانیت کا زیور قرار دیا ہے پس تم اپنی روحانیت و دیانت کے لئے غذا حاصل کرو اور اسے زندہ کرکے ابدی زندگی کے وارث ٹھہرو، یہی وراثت تمہیں جنت کی دائمی نعمتوں سے مالامال کر دیگی۔

دین اور دنیا دنیا ایک دولت ہے اور دین بھی ایک دولت ہے۔ مگر دونوں دولتوں میں بنیادی فرق ہے، پہلی دولت انسان کی عام سطح اور عوامی زندگی کی برقرار کے لئے ہے اور دوسری دولت انسانیت کی اعلی ترین سطح اور خصوصی زندگی کے لئے ہے، جہاں تک دنیا کا تعلق ہے وہ دنیا میں ہر آنیوالی چیز کو حاصل ہے، انسان سے لیکر جانور تک اس میں شریک ہیں، مگر دین ایسی دولت ہے جو جو تمام انسانوں کے نصیب میں نہیں بلکہ یہ اس خوش نصیب اور نیک بخت انسان کا حصہ ہے جسے فضل خداوندی بطور خاص نوازے اور نگاہ کرم سے اسے دیکھ لے اس حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بے نقاب فرمایا ہے۔

وان اللہ یعطی الدنیا من یحب ومن لا یحب ولا یعطی الدین الا من احب فمن اعطاہ الدین فقد احبہ - (حدیث) ترجمہ- اللہ تعالی دنیا جسے پسند کرتا ہے اسے بھی دیتا ہے اور جسے ناپسند کرتا ہے اسے بھی دیتا ہے اور دین اس شخص کو دیتا ہے جسے پسند فرماتا ہے۔ پس جسے خدا نے دین کی دولت دیدی اس نے اسے پسند فرما لیا۔

دنیا کی دولت کیا ہے؟ زندگی بسر کرنے کے حالات کی فراہمی اور نشو و نما ہے اور یہ چیز ہر دنیاوی چیز کو حاصل ہے کیڑے اور مکوڑے سے لیکر انسان تک کو یہ چیز عام ہے کفار و مشرکین بھی پیٹ بھرتے ہیں اور چلنے پھرنے کے لئے آب و دانہ اور ہوا پاتے ہیں۔ اور مومنین و مسلمین بھی اسی طرح قدرت کی عام نعمتوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں، مگر دین و دیانت اور روحانیت کی بخشش و عطا ان ہی مقدس روحوں اور پاک جسموں کیلئے ہے جو خدا کی جناب میں پسند ہو چکے ہیں اور جو اس زمین پر خدا کے پاک بندے ہیں۔

خوب سمجھ لو جہاں تک دنیا کا تعلق ہے وہ فاسق و فاجر اور عابد و صالح سب کی مشترک چیز ہے اور خدا کے سب ہی بندے اس کے مستحق ہیں، اور قدرت خداوندی اسی دنیا کو اسی طرح عام رکھتی ہے، مگر دین کی مزید برآں بخشش صرف پاک اور موحد اور لطیف جسموں کا حصہ ہے جس کا استحقاق صرف ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو خدا کے محبوب بندے ہیں۔

پس اے لوگو! یہ دنیا تو تمہیں بہرحال حاصل ہوگی، تم دین کو حاصل کرکے اس عالم عروج و زوال اور دنیائے فرق و امتیاز میں خدا کے صالح بندے بنکر وراثت ارضی اور نعمت ابدی کے اہل مستحق بن جاؤ۔

قاضی اطہر مبارکپوری

امام سفیان ثوریؒ اور خلیفہ ابوجعفر منصور حرم کعبہ میں

مکہ معظمہ کے ناموں میں سے ایک نام "بکہ" بھی ہے، قرآن حکیم نے اس آیت میں اسی نام سے اسے یاد فرمایا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ (یعنی سب سے پہلا گھر جو انسانوں کیلئے بنایا گیا وہ ہے جو بکہ میں ہے۔

علماء نے لکھا ہے: وَمِنْ اَسْمَاءِ ھَا بَکَّۃُ لِاَنَّھَا تَبُکُّ اَعْنَاقَ الْجَبَابِرَۃِ اَیْ تَکْسِرُھَا۔ (یعنی مکہ کے ناموں سے ایک نام "بکہ" بھی ہے کیونکہ وہ سرکشوں اور جابروں کی گردنوں کو توڑ دیتا ہے اور "بک" کے معنی توڑنے کے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ مکہ میں اللہ کا گھر ہے جو اس کے جلال و جبروت کا گہوارہ ہے، اس گھر میں آنے کے بعد کسی جابر و ظالم کی سرکشی نہیں چل سکتی ہے یہاں آکر کبر و غرور اور فخر و تکبر کے نام سے بھی دامن دل کو دھونا پڑیگا۔ یہاں صرف خدا کا جلال اپنا ظہور کرتا ہے اور دنیا کی کسی مخلوق کی ذرہ برابر سرکشی دم نہیں مار سکتی،

خدائے ذوالجلال کے اس دربار میں جس نے بھی اپنی بڑائی اور طاقت کا مظاہرہ اور گمان کیا اسکی گردن فوراً ناپی گئی کیونکہ یہ مقام انسانیت کی پناہ گاہ ہے، یہاں انسانیت کے کسی فرد کو دوسرے پر بلندی اور برتری حاصل نہیں ہے، یہاں تو ہر قسم کی برتری و بلندی صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کی ایک ذات کے لئے ہے اس عقیدہ اور یقین کے خلاف یہاں نہ کوئی فقیر کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ کسی بادشاہ کی چل سکتی ہے بلکہ تمام انسان یہاں برابر ہیں اور انکی برابری برقرار رہتی ہے، آؤ اس بات کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ایک صحیح اور مستند واقعہ پڑھ لو!

۱۵۸ھ کا موسم حج ہے ایک طرف خلیفہ عباسی ابوجعفر منصور کی شان و شوکت کا شور ہے، ایشیا، تو ایشیا یوروپ تک اسکی عظمت و قوت سے مرعوب ہے اور عالم اسلام پر اسکی عظمت کا سکہ بیٹھا ہوا ہے، دوسری طرف حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر تابعی اور علوم سیدالمرسلین کے حامل و عامل ہیں ان کے علم و فضل اور دین و دیانت کا شہرہ بھی ابوجعفر منصور سے کم نہیں ہے اگر ایک طرف شہنشاہ کی مادی طاقت اسکا لوہا منوا رہی ہے تو دوسری طرف ایک مومن کامل کی روحانی قوت دنیا کے دل میں گھر کئے ہوئے ہے۔

زمانہ فتنہ و فساد کا ہے بنو امیہ کے زوال پر بنو عباس کے عروج کی بنیاد رکھی گئی ہے، سفاح کے بعد ابوجعفر منصور تخت کا وارث ہوا ہے، سیاسی ماحول کو مذہب کے رنگ میں پیش کیا جا رہا ہے اور ہر سیاسی دعوت میں مذہب کی آواز بلند کی جاتی ہے ایسی صورت حال کے نتیجہ میں خلیفہ ابوجعفر منصور اور امام سفیان ثوریؒ میں اختلاف ہو گیا اور مادی طاقت نے روحانی عظمت پر تیشہ کو ٹکرانا چاہا، موسم حج قریب اور ذی الحجہ کا ابتدائی ہفتہ ہے، حضرت امام ثوریؒ کعبہ میں موجود ہیں ابوجعفر کو پتہ چلا کہ امام ثوری مسجد حرام میں رہتے ہیں، چنانچہ وہ بھی حج کے ارادہ سے چلا اور "بیر میمون" میں پہونچکر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ تم لوگ سفیان ثوریؒ کو جا کر سولی دیدو، چنانچہ انھوں نے نہایت خوشی اور اطمینان سے امام ثوریؒ کو سولی دینے کے لئے لکڑیاں گاڑ دیں لوگوں کو یہ حال دیکھکر سخت تشویش ہوئی اور حضرت امام ثوریؒ کے پاس آئے اس وقت آپ صحن کعبہ میں اس شان سے تھے کہ آپکا سر حضرت فضیل ابن عیاض رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا اور دونوں پاؤں حضرت سفیان ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں تھے لوگوں نے عرض کیا کہ ابو عبداللہ! ابوجعفر منصور کا یہ برا ارادہ ہے اور اس نے اپنے ملازموں سے آپکو سولی دینے کے لئے لکڑیاں تک نصب کرادی ہیں، اس لئے آپ یہاں سے اٹھکر چھپ جائیے۔

یہ سنکر آپ نے اٹھکر اور غلاف کعبہ کو تھام کر فرمایا۔ بَرِئْتُ مِنْہُ اِنْ دَخَلَھَا اَبُوْجَعْفَرٍ۔ یعنی وہ اگر کعبہ میں داخل ہو گیا تو میرا کوئی ذمہ نہیں، یہ فرماکر آپ اپنی جگہ واپس آکر اطمینان سے بیٹھ گئے، ادھر ابوجعفر منصور اس برے ارادہ کیساتھ "بیر میمون" سے سوار ہوکر کعبہ کی سمت چلا، مقام حجون تک گیا تھا کہ گھوڑے سے گرا اور گردن ٹوٹ گئی۔ اور فوراً مر گیا۔ یہ واقعہ ساتویں ذی الحجہ کو رات کے آخری حصہ میں پیش آیا۔ اعیان سلطنت نے اس مقام پر ایک سو قبریں کھودیں اور کسی ایک میں دفن کرکے عوام سے اسکی لاش اور قبر کو چھپا دیا،

اس طرح اللہ نے اپنے پاک بندہ سفیان ثوریؒ کی بات پوری کردی کہ اگر ابوجعفر منصور کعبہ میں داخل ہو جائیگا تو بری الذمہ نہیں (علم الاعلام بقطب النہروالی ص ۶۵)

اس واقعہ سے اندازہ کیجیے کہ اس دارالامان میں ظلم و فساد کے ارادے کس عبرتناک طریقہ پر اپنے نتیجہ کو پہونچتے ہیں اور خدا کے گھر میں انسانی شرارت کو کس طرح منہ کی کھانی پڑتی ہے۔

پس آپ اگر حج کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں تو اپنے دل میں سے کبر و غرور اور شرارت و سرکشی کی ہر معمولی سے معمولی مقدار بھی نکال دیجئے اور اپنے دلکو برکات خداوندی سے بھر لینے کے لئے اسے نحوست و نجاست سے خالی کیجئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر پہنچ جانے والے کو اس کی تعلیم دی ہے اور غلط کاری کے ارتکاب سے پہلے ہی آگاہی دیدی ہے۔ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ (یعنی جو شخص حج کرے تو اس کے لئے نہ بیہودہ گوئی ہے اور نہ بدکاری ہے اور نہ لڑائی جھگڑا ہے حج میں)۔

اب اگر اللہ تعالیٰ کی اس آگاہی کے بعد بھی کوئی اس کے گھر کے جلال و جبروت کو چیلنج کرے اور بجائے اپنی عبدیت کے اظہار کے شرارت و تکبر اور ظلم و فساد کا مظاہرہ کرے تو پھر خدائی حجت پوری ہو جاتی ہے۔ اور اسکی تباہی و بربادی یقینی ہو جاتی ہے۔ وہ یمن کا ابرہہ بادشاہ ہو یا عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور ہو یا پھر کوئی معمولی سے معمولی انسان ہو خبردار حج کے موقع پر ذرہ برابر سرکشی نہ کرنا اور خدا کے دربار میں اپنی بہیمانہ قوت کا شمہ برابر بھی مظاہرہ نہ کرنا ورنہ حج بھی جائے گا اور تم بھی جاؤ گے۔

دو اعرابی گنبد خضرا کے جوار میں

آپ نے کعبہ کے جلال و جبروت کا مظاہرہ اور اسکے مقابلہ میں اپنی شوکت کے متوالے کا انجام اور اللہ کے ایک مقدس بندہ کا حال دیکھ لیا، اب ذرا جلال کعبہ سے نظر پھیر کر جمال گنبد خضرا کی بھی سیر کیجئے اور دیکھیے کہ اس بارگاہ رحمت للعالمین سے انسان کس طرح رحمت و مغفرت اور سعادت و برکت کی دولت پاتے ہیں۔ درحقیقت گدایان کوئے طیبہ تسلیم و رضا کی دولت پاکر اس درجہ بے نیاز ہو جاتے ہیں کہ بادشاہوں کے تاج ان کی ٹھوکر میں آجاتے ہیں، دنیا کے ٹھکرائے ہوئے انسانوں کی پناہ گاہ مدینہ ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں سرکار مدینہ نے فرمایا ہے:

اَلْمَدِیْنَۃُ خَیْرٌ لَّھُمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ۔ یعنی ان کے لئے مدینہ بہترین جگہ ہے اگر وہ لوگ اسے سمجھ جائیں۔

آئیے آج دو خوگران تسلیم و رضا اور کشتگان ابروئے مصطفیٰ کے واقعات سنئے اور سبق حاصل کیجئے۔

مشہور محدث سعد بن حرب ہلالی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے گنبد خضرا پر حاضری دی اور سیدالمرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرکے وہیں بیٹھ گیا، ابھی میں دربار رحمۃ للعالمین میں حاضر ہی تھا کہ ایک اعرابی آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنیکے بعد کہا اے تمام رسولوں سے بہتر رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب صادق نازل فرمائی ہے جس میں اس نے فرمایا ہے۔ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَاءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔ (پ ۵ ع ۶) یعنی اور اگر لوگ جب کہ اپنے اوپر ظلم کریں آپکے پاس آئیں، پس اللہ سے استغفار کریں اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرے تو یقیناً وہ لوگ اللہ کو تواب و رحیم پائیں گے۔

پھر اس نے کہا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپکے ذریعہ آپکی سفارش سے پروردگار کی جناب میں اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوں، اتنا کہنے کے بعد وہ اعرابی پھوٹ پھوٹ رونے لگا، اور روضۂ شریف کے سامنے یہ اشعار پڑھنے لگا۔

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُہٗ ؛ فَطَابَ مِنْ طِیْبِھِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمُ
اے وہ بہترین ہستی جو اس زمین میں ہے ؛ جسکی وجہ سے زمین کی بلندی اور پستی پاکیزہ ہوگئی
نَفْسِی الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُہٗ ؛ فِیْہِ الْعَفَافُ وَفِیْہِ الْجُوْدُ وَالْکَرَمُ
میں اس قرار پر فدا ہوں جس میں آپ آرام فرما ہیں، جس میں پاکیزگی اور بخشش و کرم ہے۔

(بقیہ جلال کعبہ اور جمال مدینہ) پھر اس نے پہلی مرتبہ سے زیادہ عزیمت والحاح اور گریہ وزاری کے ساتھ استغفار کیا اور واپس چلا گیا۔

محمد بن حرب ہلالی بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں سویا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ نے فرمایا:۔

"تم اس آدمی سے ملکر اُسے بشارت دیدو کہ اللہ تعالیٰ نے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو میری شفاعت کی وجہ سے بخش دیا" میں فوراً بیدار ہوا اور اسکی تلاش میں گیا، مگر اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفےٰ جلد دوم صفحہ ۴۱۱ و ۴۱۲)

تو آج کے گناہگار بندے جو توبہ و انابت کرنا چاہتے ہیں آئیں اور اس دیہاتی مسلمان کے یقین اور عزیمت کو حاصل کریں اور رحمۃ للعالمینؐ سے رحمت و مغفرت کا پروانہ حاصل کریں۔ نیز علامہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس نے سفر السعادت میں امام اصمعی سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک کے سامنے آکر کھڑا ہوا اور کہنا شروع کیا:۔ " اے اللہ! یہ تیرا حبیب ہے، میں تیرا بندہ ہوں اور شیطان تیرا دشمن ہے اب اگر تو مجھے بخش دے تو تیرا حبیب خوش ہو جائیگا، تیرا بندہ کامیاب ہو جائیگا۔ اور تیرا دشمن کھسیا جائیگا۔ اور اگر تو میری بخشش نہیں کریگا تو تیرا حبیب دل گرفتہ ہوگا۔ تیرا دشمن خوش ہوگا اور تیرا بندہ تباہ ہو جائیگا۔ حالانکہ تیری شان اس سے بالاتر ہے کہ تو اپنے حبیب کو ناخوش کرے، اپنے دشمن کو خوش کرے اور اپنے بندہ کو تباہ و برباد کرے، شرفاء عرب کا اصول ہے کہ جب ان کا کوئی سردار مرجاتا تو لوگ اسکی قبر پر جاکر اپنے غلاموں کو آزاد کرتے ہیں، اور یہ تو سید المرسلین ہیں اس لئے تو بھی مجھکو آپکے مزار مبارک پر آزاد کردے!"

امام اصمعی کہتے ہیں اس اعرابی سے یہ جملے سنکر میں نے کہا، اے اعرابی! جا اللہ تعالیٰ نے اس حسن سوال پر تجھکو بخش دیا اور آزادی دیدی۔ (وفاء الوفاء صفحہ ۴۴۰/۲۶)

آپ بھی گنبد خضرا کے مکین صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس پر آکر حاضر ہوتے ہیں۔ تو عجز و انکساری کے عالم میں محبت و شیفتگی سے معمور ہو کر، مغفرت و بخشش کی دولت حاصل کیجئے جس کا اللہ نے اپنے حبیب پاک کے صدقہ میں وعدہ فرمایا ہے اور جس نے دنیا کے بے سہاروں کی امیدیں قائم ہیں

اللہ کے جوار میں بسنے والے

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام نے کعبہ کی بنیاد مکمل کرنے کے بعد اللہ تعالی سے دعا کی کہ اے اللہ! انسانوں کے دلوں کو اس گھر کی طرف پھیر دے اور ان میں اس کی لگن اور تڑپ پیدا کر دے، جن پاک روحوں نے اس پاک پیغام ابراہیمی کو عالم ارواح میں سنا اور لبیک کہا ہم ان کی دو قسمیں کر سکتے ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو دین اسلام قبول کر کے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے کعبۃ اللہ کی حاضری دیتے ہیں اور پھر اپنے اپنے وطنوں کو واپس ہو جاتے ہیں۔

(۲) وہ لوگ جن کے دلوں میں کعبۃ اللہ کی اس طرح لگن اور تڑپ پیدا ہوئی کہ دور دراز مقامات سے ہجرت کر کے کس طرح مکہ مکرمہ میں جا کر فوت ہوئے اور اس پاک سرزمین میں دفن ہوئے تاکہ قیامت کے دن جب وہ اٹھیں تو اس بشارت نبوی کی زد میں آ جائیں:۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن مات بمکۃ او المدینۃ بعثہ اللہ تعالی یوم القیامۃ آمنا من عذابہ لا حساب علیہ ولا خوف ولا عذاب ویدخل الجنۃ بسلام وکنت شفیعا یوم القیامۃ (الحدیث)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو مسلمان مکہ یا مدینہ میں وفات پائیگا تو اللہ تعالی سے قیامت کے دن اس حال میں اٹھائیگا کہ وہ اللہ کے عذاب سے امن میں ہوگا نہ اس کے ذمہ حساب و کتاب ہوگا نہ خوف اور نہ عذاب ہوگا اور نہایت ہی پر امن طریقہ پر جنت میں داخل ہوگا اور خود میں قیامت کے دن شفاعت کروں گا۔

ایسے فدا کاروں اور پاکبازوں کے جستہ جستہ واقعات ہم "البلاغ" کے ذریعہ اپنے ناظرین تک گاہے گاہے پہونچاتے رہیں گے اس سلسلہ میں آج چند حضرات کے حالات ملاحظہ ہوں

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را ☆ گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

امام ابوبکر محمد بن حسین آجری رح مکہ میں

امام ابن جوزی نے امام آجری رح کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان کا نام ابوبکر محمد بن حسین آجری رح ہے نہایت ہی ثقہ، دیندار، عالم اور مصنف تھے۔ اپنے وقت کے مشہور محدثین جیسے ابو مسلم کجی، ابو شعیب حرانی رح اور جعفر فریابی وغیرہ سے علم دین حاصل کیا ۳۳۰ھ سے پہلے بغداد میں علم حدیث کا درس دیتے رہے، پھر مکہ چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی اور مکہ ہی میں محرم ۳۶۰ھ میں وصال فرمایا، امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو سہل محمود بن عمر عکبری رح نے بیان کیا ہے کہ جب امام ابوبکر محمد بن حسین آجری بغداد سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ پہونچے تو بہت زیادہ خوش ہوئے اور وہاں کی زندگی ان کو بہت پسند آئی اور دعا کی کہ "اللھم احینی فی ھذہ البلدۃ ولو سنۃ"۔ "اے اللہ! اس شہر میں زیادہ نہیں تو ایک ہی سال تک مجھ زندگی دیدے" اس دعا کے جواب میں ہاتف نے غیب سے کہا۔ "یا ابا بکر لم سنۃ ثلاثین سنۃ" اے ابوبکر کیوں ایک ہی سال تک نہیں بلکہ پورے تیس سال تک۔

جب قیام مکہ کو پورے تیس سال بیت گئے تو امام آجری رح نے پھر ہاتف غیبی کی آواز سنی:۔ "یا ابا بکر قد وفینا بالوعد"۔ "اے ابوبکر! ہم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا"۔

چنانچہ اسی سال امام آجری رح نے مکہ میں انتقال فرمایا، امام آجری رح کی آرزو کس قدر پاک تھی کہ انتہائی ذوق و شوق کے عالم میں اپنے پروردگار سے حرم کعبہ کے جوار میں ایک سال تک رہنے کی خواہش کی تو رحمت خداوندی نے آواز دی کہ اے نصیب ور بندے! ایک سال کے بدلے پورے تیس سال تو دنیاوی زندگی کے اعتبار سے منظور کئے جاتے ہیں اور مزید برآں یہ ہے کہ قیامت تک اسی سرزمین مثابۃ للناس وامنا میں چین سے خدا کی برکتوں سے کھیلتے رہو اور کل محشر میں ان لوگوں کے ساتھ اٹھو جو خدا کے گھر سے اٹھکر خدا کی جناب میں حاضر ہوں گے۔

دیکھا آپ نے اللہ والے اللہ کے گھر سے کس درجہ عشق و محبت کا دیتے ہیں اور اللہ اپنے ان پڑوسیوں کو کس طرح نوازتا ہے۔ ایک امام آجری رح پر کیا موقوف ہے اللہ کے کتنے پاک باطن بندے اللہ کے گھر میں اس طرح نوازے جا چکے ہیں۔

حضرت علی بن بویہ صوفی رح کی شہادت مطاف میں

چوتھی صدی ہجری کے مشہور اسلامی مورخ امام ابوالحسن علی بن حسین بن علی مسعودی رح اپنی کتاب "التنبیہ والاشراف" میں لکھتے ہیں، خلیفہ مقتدر باللہ عباسی کے زمانہ میں سب سے بڑا حادثہ قرامطہ کی یلغار ہے جس میں انھوں نے قلب اسلام پر ہی ضرب پہونچانی چاہی تھی، ابو طاہر سلیمان بن حسن بن بہرام جنابی قرمطی ربیع الآخر ۳۱۱ھ میں چار سو سوار سپاہیوں کو لیکر مقام احساء سے بصرہ کی طرف بڑھا اور لوٹ مار کرتا ہوا حج کے موقع پر ۸ ذی الحجہ ۳۱۷ھ دوشنبہ کے دن شہر مکہ میں داخل ہوا اور بے تحاشا قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا مخلوق خدا نے خدا کے گھر میں پناہ لی مگر اس ظالم و سفاک کی تلوار سے نہ بچ سکی، اس نے جن لوگوں کو مکہ میں قتل کیا ان کی تعداد میں لوگوں کا تخمینہ مختلف ہے، بعضوں کا اندازہ تیس ہزار آدمیوں کا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ شہداء کی صحیح تعداد معلوم نہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب التنبیہ والاشراف طبع یورپ صفحہ ۳۸۶)

علامہ قطب الدین الہندی مفتی مکہ "علم الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام" میں اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ اس ظالم و سفاک کی ننگی تلوار حجاج پر بے تحاشا پڑ رہی تھی اور اللہ کے گھر کا طواف کرنے والوں کی لاشوں سے مطاف پٹا پڑا تھا اور اسی قتل و خون کے عالم میں شیخ الصوفیہ حضرت علی بن بویہ صوفی رحمۃ اللہ علیہ نہایت امن و سکون اور اطمینان و شوق سے اپنے پروردگار کی جناب میں آخری عبادت ادا کر رہے تھے اور بلا خوف و خطر طواف میں مصروف تھے اور زبان مبارک سے یہ شعر پڑھتے تھے۔

تری المحبین صرعی فی دیارھم ☆ کفتیۃ الکھف لا یدرون کم لبثوا

"تم دیکھ رہے ہو کہ عشاق اصحاب کہف کی طرح اپنی اپنی جگہ پڑے ہوئے ہیں ان کو خود معلوم نہیں کہ اس رنگ عاشقانہ پر کتنی مدت بیت چکی ہے۔"

آپ اس عالم وجد و شوق میں یہ شعر پڑھتے ہوئے سرگرم طواف تھے آپ پر تلواریں گر رہی تھیں حتی کہ اسی عالم میں ایک ضرب کاری سے شہید ہو کر مطاف میں خود بھی گر گئے (علم الاعلام صفحہ ۱۰۹ طبع مصر)

اللہ اکبر! شہیدان ناز پر کیا کیا مزے لیکر اپنی جان دیتے ہیں غور تو کرو اللہ کے گھر میں اسکی رحمتوں کے زیر سایہ کس رنگین انداز میں اللہ کے بندے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر رہے ہیں، رحمت کے سایہ میں تلوار کا سایہ بھی حل ہے، اب تو وہی عاشقان باوفا بتا سکتے ہیں کہ ان کو رحمت کا سایہ مل رہا تھا یا تلوار کا سایہ پڑ رہا تھا

حافظ ابوالفضل محمد بن حسن ہروی رح کا سر کعبہ کی چوکھٹ پر

اسی ہنگامۂ قتل و خون میں ایک دوسرے بزرگ حضرت امام حافظ حدیث ابوالفضل محمد بن حسن بن احمد جارودی ہروی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا تماشا ارباب نظر کے لئے دل میں شوق شہادت پیدا کر رہا ہے عین اس وقت جبکہ ابو طاہر قرمطی کی فوجیں کعبہ میں تلواریں برسا رہی تھیں آپ نہایت اطمینان و سکون سے اللہ کے گھر کے دروازہ پر کھڑے ہوئے نگارہ رحمت کا بے چینی سے انتظار فرما رہے تھے کہ ظلم و ستم کی تلواریں آپ پر بھی پڑ گئیں۔

"اخذتہ السیوف وھو متعلق بیدیہ بحلقۃ باب الکعبۃ حتی سقط راسہ علی عتبۃ باب بیت اللہ تعالی"۔ یعنی امام مرحوم اپنے دونوں ہاتھوں سے کعبہ کے دونوں دروازوں کو تھامے ہوئے کھڑے تھے کہ چاروں طرف سے آپ پر تلواریں پڑیں آپ کا سر مبارک اللہ کے گھر کی چوکھٹ پر گر گیا۔ (علم الاعلام صفحہ ۱۰۹)

دنیا میں لاکھوں نہیں کروڑوں بلکہ اس سے زیادہ سروں نے کعبہ کی چوکھٹ کو بوسہ دیا اور اس پر سجدہ کیا مگر یہ خوش بختی چند ہی لوگوں کو ملی کہ اللہ کے گھر کی چوکھٹ پر انھوں نے ہمیشہ کے لئے اپنا سر جھکا دیا ہو۔ اور عبدیت و بندگی کا اتنا شاندار مظاہرہ کیا ہو یہ ان ہی ارباب صفا کا حصہ ہے جن کے سروں میں عشق الہی کا سودا پورا طرح سما گیا ہو اور خدا کی چوکھٹ کے علاوہ اور کسی جگہ اپنے خدا کے لئے سجدہ کرنے تک کے لئے رضا مند نہ ہوں۔

اسلام اور اسلامی علوم ، دینی تعلیم کی اہمیت اور علمائے دین کا منصب

قاضی اطہر مبارکپوری

اسلام اور اسلامی علوم:۔ اسلام اور علم دونوں لازم و ملزوم ہیں اسلام کی تشریف آوری کا مقصد انسانیت کے مقام کو بلند کرنا اور اسکی ایک ایک صلاحیت و استعداد کو اجاگر کرنا ہے اور اس کام کے لئے سب سے پہلے علم کی ضرورت ہے اگر انسان کے اندر علم و دانش کی قوت بیدار نہ ہوگی تو ہمیں اصلاح حال کا اثر کام نہیں کر سکے گا۔

اسی لئے پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف الفاظ میں اپنی تشریف آوری کا مقصد ہی تعلیم قرار دیا ہے اور آپ نے فرمایا ہے:۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (بیشک میں تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔) یہی وجہ ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام نے اپنی دعوت پر لبیک کہنے والے کے لئے علم کو ضروری قرار دیا اور انسان کی دونوں جنس مرد اور عورت پر پابندی عائد کر دی:۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ (الحدیث) (علم دین کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کے اوپر فرض ہے۔

علمائے اسلام نے فرمایا کہ کم از کم اتنا علم تو ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے واجب ہی ہے جسکی وجہ سے وہ اسلامی مسائل اسکے اعمال، اعتقادات اور اصول و فروع کی حقیقت تک پہونچ سکے اور اپنے طور پر دین کو سمجھ سکے اسی حقیقت کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دینی کے پہلے دن سے لیکر آج تک مسلمانوں نے اپنے لئے کم سے کم علم دین کو ضروری قرار دیا ہے اور جہاں کہیں دس بیس گھر مسلمان ہوتے ہیں وہاں اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے ایک مکتب یا مدرسہ قائم کر لیتے ہیں اس طرح وہ اسلام اور علم کے لازم و ملزوم ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔

اسلام میں علم دین اور علمائے دین کا کیا مقام ہے، ان کی کیا ذمہ داری ہے اور دین کے لئے علوم دینیہ کس درجہ ضروری ہیں ان باتوں کو سرسری طور پر معلوم کرنے کے لئے ہم ایک جلیل القدر عالم دین حضرت امام ابو بکر بن حسین بن عبد اللہ آجری متوفی ۳۶۰ھ کی کتاب اخلاق العلماء سے چند احادیث اور ان کی تشریح پیش کرتے ہیں۔

موجودہ دور میں دینی علوم کی ضرورت:۔ مسلمانوں نے علوم دین کی اس اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر اپنی آمد کے پہلے دن سے تعلیم و تدریس کا سلسلہ قائم کیا اور اس ملک میں مسلمانوں کے چھوٹے بڑے مکاتب و مدارس رہے ان ہی علمی اداروں کی برکت ہے کہ آج ہم اس دور الحاد و بددینی میں مسلمان ہیں اور حالات ناگواری کے باوجود پوری عزیمت سے ہمیں اپنی دینی زندگی کا احساس ہے، یقین جانئے اگر مسلمانوں نے اس ملک میں اپنی علمی اداروں کو قائم نہ کیا ہوتا تو انگریزی دور ہی میں یہاں سے نعوذ باللہ اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان ہی مٹ چکا ہوتا۔ اور ہم الحاد و بددینی کی رو میں بہہ گئے ہوتے۔

آج ہمارے ملک میں جو حالات چل رہے ہیں ان کے پیش نظر ہمیں انگریزی دور سے بھی زیادہ ہمت و عزیمت کے ساتھ دینی علوم کی طرف توجہ دینا ضروری ہے، موجودہ حکومت نے ہمیں پوری آزادی دی ہے کہ ہم اپنے دینی علوم کو پورے طور پر پڑھیں پڑھائیں، اگر ہم نے اس آزادی سے فائدہ نہ اٹھایا اور خدانخواستہ غفلت کی تو ہماری موجودہ نسلیں نام کی مسلمان تو ہوں گی مگر کام کے اعتبار سے بالکل صفر ہوں گی اور اس ملک کے چار کروڑ مسلمانوں سے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی صحیح روح مفقود ہو جائے گی۔

پس آج درمندان ملت اسلام کا اولین فریضہ ہے کہ وہ اولین فرصت میں اسلاف رحمہم اللہ کی طرح گھر گھر اور محلہ محلہ دینی مکاتب و مدارس قائم کریں اور معصوم نسلوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے ذہن میں اسلام کا صحیح نقش ابھاریں تاکہ دین کے نقوش بڑھاپے تک "نقش کالحجر" کی طرح ثبت ہیں اس سلسلہ میں مذکورہ حقائق پر غور فرمائیے اور سوچ سمجھ کر فوراً علمی قدم اٹھائیے۔

علم دین افضل ترین عبادت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ مَا عُبِدَ اللّٰهُ بِشَيْءٍ أَفْضَلَ مِنْ فِقْهٍ فِي دِينٍ وَلَفَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ وَلِكُلِّ شَيْءٍ عِمَادٌ وَعِمَادُ الدِّينِ الْفِقْهُ (اخلاق العلماء ص ۱۳)۔ (تفقہ فی الدین کی عبادت سے بہتر اللہ کی کوئی عبادت نہیں ہے اور دین کا علم و فہم رکھنے والا ایک آدمی شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہے اور ہر چیز کا ستون ہوتا ہے دین کا ستون دین کی سمجھ ہے۔) تفقہ فی الدین یعنی دین کے حقائق و رموز اور مسائل و فتاوے کی سمجھ ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے دینی علم کے ماہر ہوتے ہیں جن کی زندگی علم دین میں رنگ جاتی ہے اور روح و جسم کی کوئی حرکت دین کے خلاف نہیں ہوتی، یہ تفقہ اور دین کا کام عبادت کی بنیاد ہے اسی سے تمام عبادات و اعمال کی بقا ہے، پس علم دین کی مشغولیت افضل ترین عبادت ہے اسلئے دین کے فہم و ادراک سے کورا عابد و زاہد عالم دین کی عبادت کے مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتا، اور تنہا عالم عابد کے دل و دماغ پر شیطانی وسوسے برے اثرات ڈال سکتے ہیں مگر جس طرح

اسلام اور اسلامی علوم

بقیہ صفحہ اوّل

علم دین کے اسرار و رموز اور مسائل و حقائق کے نقوش ثبت ہوں اس پر کوئی شیطانی نقش نہیں ابھر سکتا، خوب سمجھنا چاہئے اسلام کے عقائد و اعمال کا دار و مدار علم دین پر ہے، جب علم دین کو فروغ ہوگا تو اسلام کے عقائد و اعمال کو بھی فروغ لازم ہے اور اس میں کمی ہوگی تو دین کے معاملات میں کمی آ جائیگی۔

علم دین خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے:۔ حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس سے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ (اخلاق العلماء ص۱۵) جسے اللہ تعالیٰ خیر سے نوازنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔

امت محمدیہ میں تفقہ فی الدین کا مقام بہت بلند ہے، دین کی سمجھ خدا کی بہت بڑی نعمت ہے، خوش نصیب ہیں وہ نفوس جو اس دولت سے نوازے گئے ہیں جسے یہ دولت مل گئی اسے کسی دوسری دولت کی ذرہ برابر حاجت نہیں، جن افراد میں علم دین ہوتا ہے ان کے ساتھ فضل خداوندی شامل ہوتا ہے، جن خاندانوں میں دینی علوم کا چرچہ رہتا ہے ان پر نسلاً بعد نسلاً انعام خداوندی ہوتے رہتے ہیں، اور جن بستیوں میں دین کے علوم کے حاملین اور معلمین و متعلمین ہوتے ہیں وہاں پر خیر و برکت کی پہرہ داری رہتی ہے ان کے لئے دین و دنیا کی بھلائیاں ہوتی ہیں اور آخرت میں بھی سعادت و نیک بختی سے ان کو حصہ و اجر ملتا ہے، اس طرح جس دور اور جس زمانہ میں علم دین کا چرچا ہوگا اس میں ہر طرح کی خیر و برکت ہوتی رہیگی

عالم دین کا مقام و منصب:۔ مشہور عالم صحابی حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

وَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ (اخلاق العلماء صفحہ ۱۲) یقیناً عالم کی فضیلت عابد پر چودھویں رات کے چاند کی فضیلت کی طرح ہے تمام ستاروں پر، یقیناً علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، انبیاء نے وراثت میں دینار و درہم کو نہیں چھوڑا، بلکہ علم کی وراثت دی ہے اس لئے جو آدمی اس وراثت کو حاصل کریگا وہ بہت بڑا حصہ پا جائیگا۔

جن علمائے دین کی زندگیاں دین کے مسائل و معاملات میں گذرتی ہیں اور جو اپنے علم و تفقہ سے رات دن اسلام اور مسلمانوں کی دینی اور علمی خدمت کرتے رہتے ہیں، وہ جسم ملت کی روح ہیں اسلام کی شاہراہ میں روشنی کے مینار ہے ہیں اور چمنستان دین کی سرسبزی و شادابی ہیں، ان کی زندگی ہی عبادت ہے یقیناً ان کے مقابلہ میں عباد و زہاد کی وہی حیثیت کی ہے جو چودھویں رات کے چاند کے مقابلہ میں عام ستاروں کی ہے۔

علمائے دین اپنی رہبری میں دینی زندگی کے نوک پلک سنوارنے میں اور دینی روح کے بیدار کرنے میں انبیاء علیہم السلام کے جانشین ہیں اور ان پر وہی ذمہ داریاں ہیں جو انبیاء پر عائد ہوتی ہیں، انبیاء کی طرح علماء دین کا اوڑھنا بچھونا بھی دین اور علم دین ہے ان کی پوری زندگی تعلیم و تعلم کی آئینہ داری کرتی ہے

انبیاء اور رسل دنیا میں دولت کمانے اور خزانے بٹورنے نہیں آئے تھے بلکہ خداوندی ہدایات و برکات کا خزانہ لٹانے کے لئے آئے تھے۔ آسمانی بخششوں کو زمینی باشندوں میں عام کرنے کے لئے آئے تھے اور خدا سے علم و حکمت لیکر بندوں کو دینے کے لئے آئے تھے اسی طرح عالم کا کام علم دین سکھنا دنیا کمانا نہیں ہے بلکہ لوگوں کو آخرت کی دولت دینا ہے، جب اُن کا دامن دولت عقبیٰ سے خالی ہوگا تو وہ دوسروں کو کیا دے سکیگا؟ اس لئے عالم دین کو انبیاء علیہم السلام کی علمی و دینی دولت کو اپنانا چاہیئے داگر یہ دولت بھرپور مل گئی تو اس کے سامنے دنیا کی تمام تر دولت و ثروت ہیچ ہے اور یہی حظ وافر ہے"۔ صحیح عالم دین کی پہچان اسکی علمی شان اور دینی آن بان ہے اسکے پاس اگر دنیا کی فانی اور … … نہیں ہوتی تو دین کی دائمی اور روحانی دولت بہت زیادہ ہوتی ہے جبتک علماء اپنے مقام کو پہچانیں گے عوام بھی ان مقام کو پہچانیں گے۔

اسلام کے ایک فوجی سپاہی نے حالت حمل میں اپنی پیاری بیوی کو خدا کے حوالے کرتے ہوئے خدا کی راہ لی، اور تیس ہزار دینار کی خطیر رقم جو آجکل کے حساب سے تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ ہوتی ہے، اپنی بیوی کی تحویل میں رکھا دی یعنی اس مجاہد نے اپنی پاکباز بیوی کے پاس اپنی دو امانتیں چھوڑیں، ایک حمل اور دوسری تیس ہزار دینار کی رقم، مجاہد پورے ستائیس سال کے بعد خراسان کی جنگ سے واپس آیا، دروازہ ہی پر ایک ستائیس سالہ کڑیل جوان سے مڈبھیڑ ہوئی تھانہ پولیس تک کی ایک نے دوسرے کو دھمکی دی، اچھا خاصا مجمع ہوگیا، اس ہنگامہ میں گھر کے اندر سے وہی عصمت مآب اور عفت پناہ، اللہ کی بندی دروازہ پر آئی اور دونوں میں ایک جملہ میں اس طرح صلح کرادی کہ دونوں جھپٹ کر گلے ملے اور دیر تک روتے رہے۔

یہ دونوں کون تھے؟ ڈیڑھ لاکھ کی بھاری رقم کیا ہوئی کس پر خرچ ہوئی؟ اور مدت کے بعد واپس آنے والے مجاہد نے اپنی بیوی اور اپنی کمائی کا کیا کمال دیکھا؟ ذیل میں ایک ڈرامائی داستان سنئے جس میں ان باتوں کے جوابات ہیں مگر یہ کوئی افسانہ نہیں ہے، من گھڑت کہانی نہیں ہے کسی ناول کی کتاب کا کوئی باب نہیں ہے، بلکہ حضرت امام مالک کے استاد اہل مدینہ کے فقیہ اور اسلامی علوم کے نازبردار حضرت امام ربیعہ رائی اور ان کے والد محترم حضرت ابوعبدالرحمن فروخ کا واقعہ ہے جو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پہلی صدی ہجری میں پیش آیا اور اسلامی مورخوں نے بعد میں آنیوالے مسلمانوں کی عبرت کے لئے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

اے باپو! ابوعبدالرحمن فروخ بننے کی کوشش کرو۔ اے ماؤ! ام ربیعہ رائی بنکر اپنے بچوں کو علوم دینیہ کے زیور سے آراستہ کرو! اے بچو! حضرت امام ربیعہ کی اقتداء کر میں اپنی ماؤں کی زیر نگرانی اور اپنے باپوں کی زیر سرپرستی وہ مقام پیدا کرو جہاں دنیا کے پیاسے آکر علوم سے سیراب ہوں۔

واقعہ یوں ہے کہ ابوعبدالرحمن فروخ نامی ایک فوجی سپاہی مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے میاں بیوی دو ہی نفر پر گھر کی رونق موقوف تھی، بنو امیہ کا زرین عہد تھا فتوحات اسلامیہ کا دائرہ اسلامی مجاہدوں کے خطوط سے وسیع ہورہا تھا، ایک مرتبہ خراسان کی مہم درپیش ہوئی غازیوں اور مجاہدوں کی بھرتی کا اعلان ہوا ابوعبدالرحمن بھی جہاد کے نشہ میں چور ہوکر خدا کی راہ میں گھر سے نکل پڑے، بیوی حمل سے تھیں، اور تیس ہزار کی رقم کو ان کے پاس چھوڑا کر جو ضرورت سے بچ رہے اسے حفاظت سے رکھنا میں واپس آکر لے لوں گا، ابوعبدالرحمن کامل ستائیس سال کے بعد اس شان سے واپس آئے کہ گھوڑے پر سوار تھے ہاتھ میں نیزہ تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مجاہد میدان جہاد سے واپس نہیں آیا بلکہ جانے کا ارادہ کر رہا ہے خدا کی راہ میں ہر وقت جان دینے کے لئے تیار رہنے والوں کی یہی شان ہوتی ہے۔

گھوڑے سے اترے اور بلا آواز دیئے اور بلا اجازت طلب کئے اپنے گھر کے دروازہ کو نیزہ کی نوک سے کھولدیا، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کڑیل نوجوان اندر سے نکلا اور غضبناک لہجہ میں کڑی آواز سے ڈانٹ کر بولا۔

اے خدا کے دشمن! کیا میرے گھر پر حملہ کرنا چاہتا ہے؟ "نہیں اے خدا کے دشمن! تو غیر ہوکر میرے حرم سرا میں گھس آیا ہے"۔ فروخ نے کہا۔

پھر کیا تھا وہ جوان اور یہ فوجی سپاہی ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے اور اچھی طرح بھڑ گئے۔ یہ کشتی دیکھ کر تمام اہل محلہ اور پڑوسی جمع ہوگئے حتیٰ کہ یہ خبر امام دارالہجرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو جو اس وقت طالب علم تھے اور علماء ومشائخ مدینہ تک پہونچ گئی اور یہ تمام حضرات بھی جوان (ربیعہ) کی مدد کو آگئے۔ ربیعہ جوان بار بار کہتا تھا کہ خدا کی قسم میں سلطان وقت کے پاس لے گئے بغیر چھوڑ نہیں سکتا۔ اور فروخ یہ کہتے تھے کہ میں بھی خدا کی قسم سلطان وقت تک پہونچائے بغیر نہیں چھوڑ سکتا۔ اور تو میری بیوی کے ساتھ چلے گا، دونوں کی آواز تیز تیز نکل رہی تھی اور آپس میں ہنگامہ آرائی جاری تھی کہ فروخ کی عورت نے اندر سے نکل کر فیصلہ کن بات کہدی جوان سے کہا کہ یہ میرا شوہر ہے اور فروخ سے کہا کہ یہ وہ میرا لڑکا ہے جسے تم حالت حمل میں چھوڑ گئے تھے یہ سنتے ہی باپ بیٹے دونوں جھپٹ کر ایک دوسرے سے گلے ملے اور رونے لگے۔

اس کے بعد فروخ نے اندر داخل ہوکر عورت سے کہا یہ تو میرا لڑکا ہے جسے میں نے تیرے پاس حالت حمل میں چھوڑا تھا۔ عورت نے کہا جی ہاں، پھر کہا۔ اچھا ذرا میرا وہ مال تو نکالو جو تمہارے پاس رکھا ہے، یہ میرے پاس چار ہزار دوسرے دینار اور بھی ہیں، عورت نے جواب دیا میں نے آپ کا مال دفن کردیا ہے چند دنوں کے بعد نکال دونگی اس گفت وشنید کے بعد جوان یعنی حضرت امام ابوعثمان ربیعہ بن ابوعبدالرحمن فروخ رائی فقیہ اہل مدینہ مسجد نبوی میں جاکر اپنے حلقہ تدریس میں تشریف فرما ہوگئے اور حضرت امام مالک بن انس، حسن بن زید، ابن ابوعلی لہبی، مساحق اور دوسرے اعیان واشراف مدینہ امام ربیعہ کے حلقہ درس میں آکر بیٹھ گئے لوگوں نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا ادھر امام ربیعہ کی والدہ ماجدہ نے اپنے شوہر فروخ سے کہا کہ تم بہت دنوں کے بعد جہاد سے مدینہ لوٹے ہو۔ جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھ آؤ چنانچہ فروخ مسجد نبوی میں گئے تو نماز پڑھکر ایک بہت بڑا حلقہ دیکھا اور پاس آکر کھڑے ہوگئے ان کو دیکھکر لوگوں نے ذرا راستہ صاف کردیا۔ مگر امام ربیعہ اس طرح سر نیچا کئے رہے کہ گویا انھوں اپنے باپ کو دیکھا ہی نہیں، اس وقت ان کے سر پر ایک لمبی سی ٹوپی تھی، فروخ کو بھی شبہ پڑگیا، مجمع سے پوچھا کہ یہ کون آدمی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا یہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمن ہیں، جب ابوعبدالرحمن فروخ نے یہ جملہ سنا تو کہا اللہ تعالیٰ نے میرے لڑکے کو بلندی دی ہے، یہ کہکر گھر واپس آئے اور ان کی والدہ سے کہنے لگے کہ میں نے تمہارے لڑکے کو اتنی بلندی حالت پر دیکھا ہے کہ کسی اہل علم وفقہ کو اس مرتبہ پر نہیں دیکھا یہ سنکر ان کی ماں نے کہا۔

اب آپ مجھے بتایئے کہ آپکو وہ تیس ہزار دینار زیادہ محبوب ہیں یا اپنے لڑکے کا یہ مرتبہ محبوب ہے باپ نے کہا نہیں خدا کی قسم وہ مال محبوب نہیں ہے بلکہ مجھے اس کا یہ مرتبہ پسند ہے، یہ سنکر ماں نے کہا میں نے سارا مال اسی پر خرچ کردیا ہے۔ باپ نے کہا تو خدا کی قسم تو نے اس مال کو ضائع نہیں کیا۔ (تاریخ ابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۰۲ طبع قدیم)

حضرت امام ربیعۃ الرائی "فقیہ اہل المدینہ" کے لقب سے مشہور ہیں انھوں نے صحابۂ کرام کی ایک جماعت کی صحبت اٹھائی ہے اور ان کے ذریعہ سے مشکوٰۃ نبوت کی روشنی حاصل کی ہے آپکے شاگردوں میں حضرت امام مالک جیسے نامی گرامی امام دین ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے علم کی بے پایاں دولت کے ساتھ مال بھی بے حساب دیا تھا، علمائے تاریخ کا کہنا ہے کہ امام ربیعہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں ان سے بڑھکر کوئی اپنے دوست واحباب وغیرہ کے لئے سخی نہیں تھا، آپنے اپنے علمی بھائیوں اور دوستوں پر چالیس ہزار درہم خرچ کئے حتیٰ کہ ایک وقت وہ آیا جب کہ اسی سخاوت کی وجہ سے خود سوال کرنے لگے آپکے بڑے فضائل ومناقب ہیں اور رجال وتذکرہ کی کتابوں میں آپکے حالات تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

آپ ۱۳۰ھ میں فوت ہوئے رحمۃ اللہ علیہ۔ جہاد بالسیف اور جہاد بالقلم کی جامعیت بہت کم گھرانوں کو نصیب ہوتی ہے، باپ مجاہد، لڑکا عالم ہو باپ غازی لڑکا فقیہ ہو۔ باپ میدان وغا کا دھنی، لڑکا حلقۂ درس کا صدر نشین ہو یہ بہت بڑی خصوصیت ہے۔

یہ سارا کھیل اس عصمت پناہ ماں کا ہے جس نے اپنے فرزند کو مدینہ کے علمی ماحول میں پرورش کرکے عالم دین بنایا اور یہ سارا تماشا یہ پاکبازی اس بچہ کا ہے جس نے اپنی پیاری ماں کی شفقت کو غنیمت جان کر ذوق وشوق کیساتھ علم دین حاصل کیا اور یہ سارا افسانہ اس کردار کا ہے جو اچھے باپوں اور اچھے ماؤں کی طرف سے اپنی پیاری اولاد کے بارے میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔

اے کاش! مدینہ کا وہی زمانہ لوٹ آئے جس میں ہر گلی اور کوچہ قال اللہ وقال الرسول سے معمور تھا، اے کاش! مسلمانوں کی ہر بستی مدینہ کی پیروی میں وہی امام ربیعہ پیدا کردے جنکی شاگردی میں دین کے رمز شناس پیدا ہوتے تھے۔ اے کاش! پھر دنیا اسلامی علوم اور دینی معارف کی برکتوں سے بھر جائے تاکہ آج زخمی دنیا اپنے لئے مرہم پاسکے،

خداوندا! مسلمانوں کے دلوں میں وہی تڑپ دیدے جسکی برکت سے انھوں نے سرزمین اندلس سے لیکر چین کی سرحد تک ایک کلمہ، ایک دین ایک زندگی، ایک قوم اور ایک روشنی کو پیدا کرکے دوسری تمام غلط اور منتشر باتوں کو ختم کردیا (آمین)

ابو عبد اللہ محاسبی بصریؒ اور اہلِ دل کی دو باتیں

قاضی اطہر مبارکپوری

حضرت ابو عبد اللہ محاسبی بصری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے علمائے دین اور اولیاء کرام میں سے ہیں۔ ان کا نام حارث بن اسد ہے خاندان بصرہ کے رہنے والے تھے۔ علامہ ابن خلکان کہتے ہیں

الحارث احد المشهور واحد رجال الطريقة والحقيقة وهو ممن اجتمع له علم الظاهر والباطن :۔ یعنی امام محاسبی مشہور زاہد ہیں اور طریقت و حقیقت کے جاننے والوں میں ایک ہیں یہ ان لوگوں سے ہیں جن کے لئے ظاہر و باطن علم دونوں یکجا ہوئے، شریعت و طریقت دونوں چونکہ ان کا موضوع تھے اس لئے دونوں فنون میں انکی کتابیں ہیں (ابن خلکان صفحہ $\frac{137}{1}$)

وله کتب فی الزهد والاصول وکتاب الرعاية له۔

یعنی زہد و تصوف میں ان کی کئی کتابیں ہیں اور اسی طرح اصول دین میں بھی ان کی تصنیفات ہیں، کتاب الرعایۃ ان کی ہی تصنیف ہے، اپنے باپ سے ستر ہزار درہم ورثہ میں پائے تھے مگر ایک درہم بھی ان میں سے نہیں لیا حالانکہ پیسہ پیسہ کے محتاج تھے بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ اسکی وجہ یہ تھی کہ ان کے والد قدریہ خیال رکھتے تھے اس لئے انھوں نے مارے پرہیزگاری کے ان کی وراثت میں سے حبہ نہیں لیا، ان کی دلیل یہ تھی کہ صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ہے کہ دو مذاہب والوں میں کوئی وراثت نہیں چلتی۔

روایت کی گئی ہے کہ جب ان کا ہاتھ غیر شعوری طور سے کسی ایسے کھانے کی طرف بڑھ جاتا تھا جس میں حرام کا شبہ بھی ہوتا تو ان کے انگوٹھے کی ایک رگ خود بخود حرکت کرنے لگتی اور وہ فوراً ہاتھ کھینچ لیتے تھے (امام محاسبی کی وفات ۲۴۳ھ میں بغداد میں ہوئی۔

"محاسبی" ان کو جیسا کہ علامہ سمعانی نے بیان کیا ہے اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرتے تھے کہ کتنے گناہ کئے اور کس قدر نیکی کی ہے۔ اور کیا حلال کمایا ہے اور کیا حرام کھایا ہے اسی احتساب نفس کی وجہ سے ان کو محاسبی کہنے لگے۔

باوجود اس علم و فضل کے اور زہد و بزرگی کے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ان کے علم کلام میں دلچسپی لینے کی وجہ سے ان سے خوش نہ تھے، حضرت محاسبی اسی وجہ سے علوم سے روپوش ہو گئے اور اسی عالم میں وصال فرمایا، اس لئے آپکے جنازہ کی نماز میں صرف چار آدمی شریک ہوئے (وفیات الاعیان ابن خلکان صفحہ $\frac{137}{1}$)

بزرگوں کی بزرگی کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی کو دیکھو کہ شدت احتیاط کے باوجود کس قدر ان کو اپنے بارے میں خطرہ رہا کرتا تھا، ایک ہم ہیں کہ ساری زندگی حرام کاریوں میں اور حرام خوریوں میں ملوث ہے اور ذرہ برابر کسی قسم کی کوئی فکر نہیں ہے۔

بات پر بات نکلتی ہے جب آپنے امام محاسبی رح کے حالات معلوم کر لیئے تو ان کے دو ایک اقوال و مواعظ بھی سنتے جایئے۔ خوب یاد رکھیئے بزرگوں کے تقوے اور ان کے ملفوظات ان کی زندگی کے نچوڑ ہوا کرتے ہیں بعد کے لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اچھے اچھے اور تلے جملے الفاظ کہہ دیئے ہیں حالانکہ یہ جملے ان کی زندگی کے مشاہدات و تجربات ہوتے ہیں، ان کو اس نقطۂ نظر سے مورخین ان کی سیرتوں کے بیان کرتے وقت لکھتے ہیں، امام محاسبیؒ کے حال میں علامہ بن خلکان نے ان کے صرف دو مقولے نقل کئے ہیں۔

(۱) ایک مرتبہ امام محاسبی رح سے عقل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپنے جواب دیا کہ عقل انسانی کا نور ہے تجربات کے ساتھ، علم اور حلم سے وہ نور عقل قوی اور زور دار ہوتا رہتا ہے، یعنی عقل انسانی طبیعت کا ایک جوہر لطیف ہے جسکی نورانیت پر مشاہدات اور تجربات صیقل گری کا کام کرتے ہیں جس کا تجربہ جسقدر زیادہ ہوگا اسکی عقل اسی قدر تیز ہوگی اور آدمی کے اندر علم و تجربہ اور حلم و صبر جتنا زیادہ ہوتا جاتا ہے اسکی عقل بھی اسی قدر بڑھتی جائیگی پس وہ جوہر عقل سب میں برابر ہے، البتہ تجربات، علم اور حلم کے فرق سے اس میں فرق ہوتا ہے

(۲) ہم نے تین چیزیں اپنے اندر سے کھو دی ہیں (۱) خوبصورتی کو عصمت کے ساتھ (۲) حسن قول کو امانت کے ساتھ (۳) حسن اخوت کو وفا کے ساتھ۔

یعنی اب ہم مسلمانوں میں یہ تین چیزیں ہوتی ہیں مگر ان کا جوہر باقی نہیں رہا خوبصورتی اور حسن صورت میں عصمت و عفت نہیں رہی بلکہ حسین صورتیں اب برائیوں میں مبتلا ہوتی جاتی ہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی اہم نعمت کو اپنے لئے وبال جان بنا لیتی ہیں۔

آجکل لوگ باتیں تو بڑی اچھی کرتے ہیں مگر ان میں امانت نہیں ہے کہ کسی کا راز چھپا سکیں یا کسی کی امانت کی حفاظت کر سکیں اب مسلمان کی تیز زبانی کی وجہ سے ان کے باہمی راز فاش ہو جاتے ہیں اور کسی کا کوئی پاس لحاظ نہیں رکھتا ہے مسلمانوں کے اندر اب دوستی صرف مطلب کی رہ گئی ہے اس میں صرف ظاہر داری ہے اور حسن معاشرت کی روح دوستی سے مفقود ہو چکی ہے دوستی کا نباہ دنیا اور اپنے دوست کے ساتھ وفا داری کا ثبوت دینا ختم ہو چکا ہے۔

اے مسلمانو! ان تین باتوں پر غور کرو اور ان پر عمل کر کے اپنی قومی اور ملی زندگی کی قدروں کو بڑھاؤ! خوب سمجھ لو ان ہی پرانے حقائق پر چل کر نئی حقیقتیں ملیں گی مسلمانوں کے لئے یہی راہ صراط مستقیم ہے۔

خطیب بغدادی محدثؒ اور ابو بکر بن زہراء صوفیؒ

آج ایسے ہی علمائے شریعت اور صوفیائے طریقت کی ضرورت ہے

امام حافظ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت بغدادی متوفی یوم دوشنبہ ۷ ذی الحجہ ۴۶۳ھ رحمۃ اللہ علیہ اسلام کے جلیل القدر آئمہ دین میں گذرے ہیں دنیا آپ کو "خطیب بغدادی" کے لقب سے یاد کرتی ہے آپ امام حافظ حدیث اور متبحر عالم دین تھے آپنے سینکڑوں کتابیں تصنیف فرمائیں، ان میں ایک کا نام تاریخ بغداد ہے، ان کی تصنیفات میں اگر یہی ایک کتاب ہوتی تو ان کے متبحر علمی کی دلیل کے لئے کافی تھی؛ تاریخ بغداد چودہ جلدوں میں مصر میں چھپی ہے، کل صفحات ۷ ہزار کے قریب ہیں؛ راقم الحروف کو اس عظیم الشان کتاب میں باب استیعاب کا مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہے اور اس نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے، آپنے وصال سے پہلے اپنا تمام سرمایہ جو کہ دو سو دینار تھا صدقہ فرما دیا اور حالت مرض میں اسے محدثین، فقہاء، فقراء میں تقسیم کر دیا۔ مرتے وقت وصیت فرمائی کہ میرے تمام کپڑے میری طرف سے صدقہ کر دیئے جائیں اپنا سارا کتب خانہ عام مسلمانوں پر وقف کر دیا آپکے کوئی اولاد نہ تھی (تاریخ ابن خلکان ۱۷ صفحہ ۲۸/۲۷)

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو جہاں بہت سی کرامتیں اور خصوصیتیں دی ہیں ان میں ایک کرامت اور خصوصیت یہ ہے کہ امت تصانیف کثیرہ والی ہوگی جیسا کہ علامہ تاج الدین سبکی رح نے طبقات الشافعیہ کبریٰ میں لکھا ہے ایک ایک مسلمان عالم نے اتنی اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ آج جبکہ تصنیف و تالیف کا فن ترقی یافتہ ہو چکا ہے اور کتاب لکھنا بہت آسان ہو گیا ایک گروہ سو سال میں بھی اتنی کتابیں نہیں لکھ سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے علماء اسلام کو یہ خصوصیت بھی دی ہے کہ وہ دل کے غنی ہوتے ہیں اور خدا کی ذات کے سوا ان کا سہارا نہیں ہوتا اگر کسی وقت ان کو کوئی دولت ملجاتی ہے تو اسے بھی اپنے مشاغل اور اپنے ہم جنس علماء پر خرچ کر دیتے ہیں۔

علماء کو حضرت خطیب بغدادی جیسا متبحر عالم اور ان ہی جیسا دل کا غنی ہونا چاہیئے اور اپنے علم کی طرح اپنی دولت کو بھی خدا کی راہ میں خرچ کرنا چاہیئے، عالم کی زندگی علم و عمل کے میل سے بنتی ہے، عالم کا اوڑھنا بچھونا۔ دین اور علوم دین کی تعلیم و اشاعت ہوتا ہے۔ اور عالم کا مقام عام لوگوں کی سطح سے بہت بلند ہوتا ہے۔

بقیہ صفحہ (۲)

ہوگئی ہیں، اب لوگوں کو پانی کے لئے مارا مارا نہیں پھرنا پڑتا کیونکہ صحرا میں اکثر کنوئیں نظر آتے ہیں۔

زرعی اور آبپاشی کی جو اسکیمیں بنائی گئی ہیں ان میں الخرج سے ان کا آغاز ہوتا ہے، سڑکوں کی تعمیر ہوتی ہے، ریلوے لائن بنائی جا رہی ہے، مدینہ منورہ سے دمشق تک حجاز کی پرانی لائن کو ازسرنو شروع کیا جا رہا ہے۔

جدہ، مکہ معظمہ، ریاض اور ظہران جیسے بڑے شہر پہلے ہی سے بجلی سے روشن ہو چکے ہیں۔ بڑے شہروں میں ہسپتال قائم کئے گئے ہیں اور سمندر کے ساحلی علاقوں اور دریاؤں کے کناروں کی آبادیوں میں چلتے پھرتے ہسپتال کام کرتے ہیں، ملیریا اور آنکھ کی (پھوڑے پھوڑنے والی) بیماریوں کا مقابلہ کیا جا رہا ہے۔

دمّن نامی ایک نئی بندرگاہ جس کی گودی سمندر میں سات میل گہری ہے بن کر تیار ہو گئی ہے، بحر احمر پر واقع بندرگاہ جدہ لقمور سے زیادہ جدید طرز پر آباد ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے لال

علمائے دین اور ان کے کارنامے

از قاضی اطہر مبارکپوری

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے بیٹے پوتے اور اللہ والوں کی باتیں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ابو اسماعیل حماد بن ابو حنیفہ کے بارے میں علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ وکان من الصلاح والخیر علی قدم عظیم۔ آپ صالحیت اور نیکی کے بہت بڑے مرتبے کے آدمی تھے ان کا انتقال ذی قعدہ ۱۷۶ھ میں ہوا، پھر لکھتے ہیں کہ جب ان کے والد امام ابو حنیفہ کا انتقال ہوا تو سونے چاندی وغیرہ کی [illegible] بہت سی لوگوں کی امانتیں امام صاحب کے پاس تھیں ان کے مالکوں کا پتہ نہیں تھا، ان میں بہت سی امانتیں ایسی بھی تھیں جنہوں نے اپنا مال امام صاحب کے پاس بطور امانت کے رکھ دیا تھا۔ حماد ان تمام کو قاضی شہر کے پاس اٹھا کر لے گئے تاکہ وہ ان سے ان چیزوں کا حساب کتاب لیکر ان کو ان سے بری کر دے، مگر قاضی نے کہا کہ ہم نہ ان چیزوں کو قبول کریں گے اور نہ ہی ان کو آپ کے پاس سے الگ کریں گے، در حقیقت آپ ان کے اہل ہیں اور آپ کے پاس ان کو رکھنا چاہیئے، یہ سنکر حماد نے قاضی سے کہا کہ اچھا آپ ان امانتوں کو وزن تو کیجئے کہ ان کی ذمہ داری والد پر سے ختم ہو جائے اس کے بعد آپ کو جو جی چاہے کیجئے گا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور کئی دنوں تک [illegible] وزن کرتا رہا، جب سب چیزوں کا وزن مکمل ہو گیا تو حضرت حماد روپوش ہو گئے اور (۲) دفعہ [illegible] نکلے جب تک ان امانتوں کو دوسرے کے پاس قاضی نے نہیں رکھا (ابن خلکان [illegible])

یہ تو امام صاحب کے صاحبزادے کا ایک واقعہ ہے تاریخ میں ان کے بہت سے اس قسم کے واقعات مذکور ہیں یہ خیر القرون کے لوگ ہیں، جن کے دل صاف، جن کی زبانیں صاف اور جن کی نیتوں میں صفائی تھی، بڑی سادگی اور اخلاص کی روح کام کر رہی تھی، ان ہی بزرگوں کی وجہ سے ان کے زمانے خیر و برکت کے زمانے تھے، زمانہ ایک سا ہی ہوتا ہے، رات اور دن کی صورتیں بدلتی ہیں چاند اور سورج میں فرق نہیں آتا، بلکہ لوگوں کے اندر جیسے رجحانات کام کرتے ہیں ویسے ہی ان کے زمانے کے حالات ہوتے ہیں۔

اگلے زمانے کے لوگ نیک، خدا ترس، متقی مخلص اور دیانتدار تھے۔ اس لئے ان کے زمانہ میں ہر چھوٹے بڑے میں عام بخشش اور دغا، فریب، ڈھول بازی، بے ایمانی، خرد برد، غبن، جھوٹ، فساد، لوٹ مار اور لڑائی جھگڑے کو لوگ انسانیت سے گری ہوئی چیز سمجھتے تھے اور ان سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔

امام ابو حنیفہ کے پوتے اور حماد کے لڑکے قاضی اسمعیل بن حماد ابن ابو حنیفہ تھے آپ بصرہ کے قاضی تھے، اس زمانہ میں بنو عباسیہ کا سکہ چلتا تھا، ابو جعفر منصور عباسی نے ان کے دادا ابو حنیفہ کو قید کیا تھا اور وہ جیل خانہ میں ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے تھے، اسمٰعیل کے زمانہ میں قاضی یحییٰ بن اکثم رحمۃ اللہ علیہ کا طوطی بول رہا تھا اور خلفائے بنو عباسیہ میں ان کی بڑی شان تھی کسی موقع پر قاضی یحییٰ بن اکثم نے قاضی اسمٰعیل کو بصرہ کی قضاۃ سے معزول کرا دیا۔ جس دن قاضی یحییٰ ابن اکثم بصرہ پہنچے اور قاضی اسمٰعیل نے وہاں سے چلنے کا سفر کیا اور رخت سفر باندھا تو ان کی جلالت شان اور رعب و داب کی وجہ سے خود قاضی یحییٰ ابن اکثم بہت دور تک ساتھ ساتھ گئے

فکان الناس یدعون لاسمعیل و یقولون عففت عن اموالنا و دمائنا

اور لوگ قاضی سے کہتے جاتے تھے کہ آپ نے اپنی قضا کے زمانے میں ہمارے اموال اور ہمارے خون کو بچایا (ابن خلکان ص ۱۰۰)

دنیا لاکھ ارباب علم و فضل کے خلاف ہو مگر ان کی جلالت شان کو نہیں چھین سکتی، دنیاوی اور مادی مراتب کے ختم ہونے سے ان کے دینی اور روحانی مرتبے نہیں ختم ہوتے۔

دیکھو قاضی یحییٰ بن اکثم جنہوں نے قاضی اسمعیل کو بصرہ سے معزول کر دیا تھا ان کے پیچھے پیچھے دور تک بھیجنے آئے اور اتنی مجال نہ ہوئی کہ اپنے تمام شاہانہ تزک و احتشام کے باوجود اپنے معزول کئے ہوئے قاضی کے احترام و اجلال میں فرق لا سکیں، عوام کا حال یہ تھا کہ غول کے غول ان کی مشایعت کے لئے بصرہ کے باہر دور تک چلے آ رہے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ آپ کی قضا کا زمانہ ہمارے لئے امن و چین کا زمانہ تھا نہ کوئی کسی کے مال پر دست درازی کرتا تھا نہ زور سے دبا سکتا تھا اور نہ کسی کو کوئی ناحق ستا سکتا تھا، علمائے اسلام جہاں جاتے دنیا ان کے قدموں پر جھکتی تھی اور جہاں سے واپس ہوتے دنیا ان کے قدم پکڑتی تھی، اب وہ خلوص اور جذب و کشش کا زمانہ کہاں ہے۔

عالم دین کی مثال ستارہ کی ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان مثل العلماء فی الارض کمثل نجوم السماء یہتدی بہا فی ظلمات البر والبحر، فاذا انطمست النجوم یوشک ان تضل الہداۃ۔ (اخلاق العلماء ص ۱۶)

ترجمہ: زمین کے اوپر علماء کی مثال آسمان کے ستاروں کی سی ہے جن کے ذریعہ خشکی اور تری کے اندھیروں میں راستہ چلا جاتا ہے، جب یہ ستارے ماند پڑ جائیں گے تو خود رہبروں میں گمراہی پھیل جائیگی۔

علمائے دین زمین کی گوناگوں اندھیریوں میں نور کے مینارے ہیں، جس بستی میں عالم کا ایک مینار روشن ہوتا ہے اپنے اطراف و جوانب کو رشد و ہدایت کے نور سے جگمگا دیتا ہے اور اسی روشنی میں ارباب صدق و صفا نیکی اور ہدایت کا راستہ طے کرتے ہیں جس طرح آسمان کے روشن ستارے رات کی گھپ اندھیری میں اپنا کام کرتے ہیں اور لیل و نہار کے نشیب و فراز سے لیکر سمندروں کی موجوں اور طوفانوں میں رہبری کے کام کرتے ہیں، اسی طرح دین کے علماء امت کی ہر آسانی اور مشکل میں رہبری کرتے ہیں، حالات کی سازگاری اور ناسازگاری میں بھی ان سے دنیا کے لوگ مستغنی نہیں ہو سکتے اور ناسازگار و ناخوشگوار دور میں بھی ان کے بغیر چارہ نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب کبھی علم و فضل کے یہ چمکتے ہوئے زمینی ستارے ماند پڑ جاتے ہیں تو دنیا میں ضلالت و گمراہی کا طوفان چل پڑتا ہے، یہ صورت حال خود عالم کے بے راہ ہونے سے ہو یا ان کے دنیا سے اٹھ جانے سے ہو، چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ ایک بستی میں جب تک کوئی صحیح عالم دین ہوتا ہے پوری بستی دین و دیانت ایمان و عقیدہ اور عمل و کردار میں بہت ہی آگے ہوتی ہے اور وہاں کا ایک ایک فرد خدا ترس اور اطاعت و اتباع کی زندگی گزارتا ہے اور جب وہ عالم اٹھ جاتا ہے یا خود صحیح راستہ سے بھٹک جاتا ہے تو چند دنوں میں پوری بستی دین و دیانت کی راہ سے بھٹک جاتی ہے

عالم دین کا اٹھ جانا امت کے لئے ابتلاء ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ان اللہ عز وجل لا یقبض العلم انتزاعا انما یقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤساء جہالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا (اخلاق العلماء)

اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں سے کھینچ کر نہیں لے لیتا بلکہ علماء کو اٹھا لیتا ہے یہاں تک کہ جب ایک عالم بھی نہیں رہ جاتا تو عوام جاہلوں کو سردار بنا لیتے ہیں اور ان سے مسائل پوچھے جاتے ہیں تو وہ بغیر علم کے فتوی دیتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

علم دین کی دولت کسی قوم سے چھینی نہیں جاتی بلکہ اس میں اور زیادتی کی جاتی ہے مگر جب قوم کا علمی مذاق خراب ہو جاتا ہے اور اس کی ناقدری کرنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ علوم دین کے حاملین کو اٹھا لیتا ہے یعنی ان کی موت واقع ہو جاتی ہے یا علم کی سرد بازاری ہو جاتی ہے اور علماء پیدا نہیں ہوتے، ایسے عالم میں عوام نا اہلوں اور جاہلوں کو اپنا پیشوا بناتے ہیں کبھی یہ جاہل اور نا اہل عالم کے لباس اور شکل و صورت میں ہوتے ہیں اور کبھی عوامی لیڈر کی شان میں ظاہر ہوتے ہیں اور قوم کے سیاہ و سفید کے مالک بن جاتے ہیں لوگ دنیاوی معاملات کی طرح دینی معاملات میں ان سے مشورہ لیتے ہیں اور وہ اپنی سرداری کے زعم میں سب کچھ بتاتے چلے جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بستی کی بستی ظلم و جہالت کی نذر ہو جاتی ہے،

عالم کا مر جانا دنیا کے لئے ابتلا کی بات ہے، معلوم نہیں اس کے بعد کون آدمی عالم کی مجلس میں عوام کا رہنما بن جائیگا۔ کتنے لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ جب تک بستی میں کوئی صحیح عالم تھا دین کے تمام کام نہایت عمدگی سے انجام پاتے تھے اور جب اس کا انتقال ہو گیا تو سارا نظام درہم برہم ہو گیا اور گلستان لٹتے ہی بلبل کی نوا سنجی کی جگہ زاغ و زغن کے

اسلام کی بنیادی تعلیم کے مرکز، اصبہان (اصفہان) اور بصرہ کے مکاتب

قاضی اطہر مبارکپوری

فارس کا شہر اصبہان اپنے دور میں دنیا کے عظیم الشان شہروں میں ایک تھا، یہاں سے دنیا کے بڑے بڑے امام اور عالم اٹھے ہیں دنیا آج بھی ان کے علم سے فیض حاصل کرتی ہے اور ان کی کتابوں کو پڑھکر دین کی راہ پر چلتی ہے۔

اس شہر کی ابتدائی علوم اسلامیہ کی تاریخ بہت دلچسپ اور تعجب انگیز ہے اور اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دردمند مسلمان کی کوشش اور ایک عالم کی علمی اور عملی زندگی کس قدر دوررس نتائج کی حامل ہوتی ہے اور اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدا کا ایک معمولی سرچشمہ کس طرح رہتی دنیا تک سیراب کرتا ہے۔

علامہ ابن رستہ نے "الاعلاق النفیسہ" میں لکھا ہے کہ اصبہان میں سب سے پہلے جس آدمی نے عربی زبان یا دفتری زبان کے ... اس کا نام سعد بن ایاس ہے یہ شخص ابو مسلم خراسانی کے گورنر عاصم بن یونس کا سیکرٹری یعنی منشی تھا، یہی سعد بن ایاس پہلا شخص ہے جس نے اصبہان کے لوگوں کو سب سے پہلے قرآن شریف کی تعلیم دینی شروع کی۔

ویقال انہ استعرض المسلمین بھا فلم یجد الا ثمانین رجلا لم یکن فیھم من یحفظ القرآن الا ثلاثۃ فلم یجعل الحول حتی تنبہ عامۃ الناس القرآن وحفظوہ (صفحہ ۱۹۷)

کہا جاتا ہے کہ سعد بن ایاس نے اصبہان کے مسلمانوں کی تعلیم کا امتحان لیا تو پورے اصبہان میں صرف اسی آدمی ان کو ملے مگر ان میں بھی صرف تین آدمی حافظ قرآن تھے باقی سب کے سب معمولی طور سے قرآن پڑھنا جانتے تھے، اس کے بعد انھوں نے وہاں قرآنی تعلیم کا انتظام کیا اور ایک سال پورا ہوتے ہوتے عام طور سے لوگوں نے قرآن کا علم سیکھ لیا اور اسے حفظ کر لیا، اللہ تعالیٰ حضرت سعد بن ایاس رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو نور سے بھر دے اور ان کو کروٹ کروٹ جنت کی بہاروں سے نوازے، دیکھو وہ کوئی امیر یا گورنر نہیں تھے بلکہ گورنر کے سیکرٹری تھے، سرکاری کام کرتے تھے اور اپنی ڈیوٹی اور ذمہ داری سنبھالتے تھے اس کے باوجود انھوں نے اصبہان میں پہونچ کر دینی علوم کی اشاعت کی فکر کی اور عام مسلمانوں کو بلا کر ان کا امتحان لیا تو معلوم ہوا کہ پورے اصبہان شہر میں صرف اسی آدمی معمولی لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور ان میں بھی صرف تین آدمی حافظ قرآن ہیں باقی سب یوں ہی کچھ جانتے ہیں، مسلمانوں کی قرآن سے اس غفلت کو دیکھ کر حضرت ایاس کا دل تڑپ اٹھا اور انھوں نے خدا پر نظر کر کے نہایت تندہی اور تیزی کے ساتھ پورے اصبہان میں مکاتب اور مدارس کا جال بچھا دیا اور عوام کو اس طرح قرآن کا شیدائی بنایا کہ ایک سال کے اندر باشندگان اصبہان عام طور سے لکھے پڑھے اور حافظ قرآن ہو گئے۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ایاس کے اندر کسقدر خلوص تھا ان کے جذبات کس قدر دین کے لئے دردمند تھے اور ان میں کس بلا کی تڑپ تھی، اسی ایک مکتب کی ابتدا سے یہ انتہا دکھائی کہ اصبہان دنیائے اسلام کا بہت بڑا علمی اور دینی مرکز بنا - ہزاروں آئمہ دین اور بزرگان اسلام وہاں سے پیدا ہوئے اور دنیا کے اطراف سے علم کے طالب کھنچ کھنچ کر سرزمین اصبہان میں پہنچے اور وہاں سے علمی اور دینی فیوض و برکات حاصل کئے، کہاں ہیں آج کے ملازم پیشہ لوگ، آئیں اور حضرت ایاس کے سامنے اپنی معذوری اور مجبوری پیش کریں، کہاں ہیں آج عوام کی دین سے لاپرواہی کا شکوہ کرنے والے لوگ آئیں حضرت ایاس کے مکاتب و مدارس کی کامیابی و کامرانی کا تماشا دیکھیں، اور کہاں ہیں آج دینی تعلیم پھیلانے والے لوگ آئیں حضرت ایاس کے کام کو دیکھیں اور اس طریقہ پر کام کریں۔

خوب سمجھو اگر دینی تعلیم کی بنیاد تمہاری بستی میں استوار نہیں ہے تو تمہارے دل میں اسلامی خیالات و عقائد کی پختگی پورے طور پر نہیں پیدا ہو سکتی، جب تک تمہارے بچے چھوٹے چھوٹے مکاتب اور مدارس میں نہیں جائیں گے، وہ دین کے دفتر میں بڑے نہیں شمار ہو سکتے۔ اور تم لاکھ عزت و آبرو کے لئے ہاتھ پاؤں مارو، کوئی دائمی عزت اور دائمی شرافت نہیں پا سکتے، حقیقی اور دائمی عزت وہی ہے جو اخلاق و دیانت کے خمیر سے اٹھتی ہے۔

بصرہ کا شہر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں آباد کیا گیا، اسی طرح کوفہ کا شہر بھی آپ کے زمانہ میں آباد ہوا، یہ دونوں شہر اسلامی علوم اسلامی تہذیب، اسلامی زندگی اور اسلامی فکر و خیال کے دو بڑے مرکز تھے ان میں اسلامی ذہن کی نشو و نما ہوئی اور یہاں سے علم و فضل کے سرچشمے ہوئے ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں بصرہ علماء، فقہاء، نحوی، صرفی، لغوی، محدث، فقیہ، مفسر، متکلم، صوفی، فلسفی اور دوسرے ماہرین علوم و فنون یہاں سے نکلے اور لاکھوں انسانوں نے یہاں سے علم کی دولت پائی، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ جس نے اس شہر میں سب سے پہلے دینی تعلیم کی ابتدا کی اسکے اخلاص و ایثار میں کتنا زور اور کسقدر طاقت تھی اور اس پر اللہ تعالیٰ کے یہاں سے کتنا اکرام و انعام ہوتا ہوگا۔

علامہ ابن رستہ الاعلاق النفیسہ میں فرماتے ہیں:-

واول من اتخذ فی المسجد البصرۃ حلقۃ واقرأ فیھا القرآن جعفر بن ابی الحسن (صفحہ ۱۹۶)

سب سے پہلے بصرہ کی مسجد میں جس نے تعلیمی حلقہ قائم کیا اور اس میں قرآن کا درس جاری کیا جعفر بن ابو الحسن ہیں۔

بصرہ اور کوفہ کی لاکھوں کی تعداد میں ہر علم و فن کے علماء اور امام پیدا ہوئے اور دنیا میں علماء کوفہ اور علمائے بصرہ کی جماعتیں عام ہوئیں،

ان تمام علما اور دینی سرگرمیوں کا سرچشمہ بصرہ میں وہی پہلا مکتب ہے جسے حضرت جعفر بن ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے بصرہ کی جامع مسجد میں جاری فرمایا تھا۔

آج ہم اپنی مسجدوں میں مکاتب و مدارس قائم کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بلاؤں کا مسجدوں میں پڑھنے پڑھانے سے کیا ہو سکتا ہے مگر یہ سوچنا ہماری عقل کے قصور کی بنا پر ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیم کے حقیقی مراکز یہی محلہ کی مسجدوں کے مکاتب ہیں۔ جن میں محلہ کے بچے دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

اسلام کی بنیادی تعلیمات ان ہی مکتبوں میں دی جاتی ہے ویسے تو عالم فاضل ہونے کے لئے بڑے بڑے مدرسے اور جامعات ہوتے ہیں مگر دین کی بنیاد ان ہی چھوٹے چھوٹے مکاتب میں پڑتی ہے۔

مسنون دعائیں بقیہ ص،

خوشی کے وقت:- اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِعِزَّتِہٖ وَجَلَالِہٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰتُ۔

اللہ کا شکر ہے، جسکے غلبہ اور بزرگی سے اچھی باتیں پوری ہوتی ہیں۔

مصیبت یا کسی کی موت کے وقت:- اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ ھٰذِہٖ وَاَخْلِفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا۔

ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، اللہ مجھکو اس مصیبت میں اجر عطا کر اور اس کا نعم البدل عطا فرما۔

برا خواب دیکھنے کے وقت:- اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ وَشَرِّ ھٰذِہِ الرُّؤْیَا۔

اے اللہ شیطان سے اور اس خواب کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔

تین مرتبہ یہ دعا پڑھ کر بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار کر کروٹ بدل لے۔

ادائے قرض اور رنج و غم دور کرنے کی دعا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ابو امامہؓ سے فرمایا کہ صبح و شام یہ دعا کیا کرو، اللہ تعالیٰ تیرا قرضہ اور رنج و غم دور کر دے گا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحَزَنِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ۔

اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں آپ کے ذریعہ سے فکر سے اور غم سے اور پناہ مانگتا عاجزی سے اور سستی سے اور پناہ مانگتا ہوں بخل سے اور بزدلی سے اور پناہ مانگتا ہوں قرض کے غلبہ سے اور لوگوں کے غصہ سے۔

دوسرے کو اگر اچھی حالت میں دیکھے:- مَا شَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

جو اللہ نے چاہا صرف اسی سے قوت ہے۔

اگر بری حالت، مصیبت یا بیماری میں دیکھے۔ اَللّٰھُمَّ عَافِہٖ وَلَا تَبْتَلِیْنَا۔

اللہ اس کو آرام دے اور ہمیں نہ آزما۔

عیادت کو جائے تو کہے۔ لَا بَأْسَ طَھُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ۔

کچھ حرج نہیں یہ (بیماری) گناہوں سے پاک کرنے والی ہے اگر خدا نے چاہا۔

زندگی یا موت
"کیا موت بازار میں بکتی ہے کہ میں اسے خرید لوں؟"
ایک زندہ انسان کی زندگی بخش داستان

از قاضی اطہر مبارکپوری

ابو الحسن محمد بن ہارون مہلبی وزیر مہلبی کے لقب سے مشہور ہے، معز الدولہ ابو الحسین احمد بن بویہ دیلمی، بادشاہ کا وزیر تھا، جمادی الاول ۳۳۹ھ میں اسے وزارت ملی بڑا عالی حوصلہ، بلند ہمت اور علم وفن کا قدرداں تھا وزیر بننے سے پہلے بہت ہی تنگ دست اور تنگ حال تھا وکان قبل اتصاله بمعز الدولة في شدة عظيمة من الفقر والضائقة وزیر مہلبی معز الدولہ سے ملنے سے پہلے ہی بڑی سختی اور ضرورت و تنگی میں مبتلا تھا۔

اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ وہ ایک سفر میں گیا اور بہت ہی تکلیف و مصیبت برداشت کی، اسے بڑے بڑے خطرناک حالات اور واقعات کا مقابلہ کرنا پڑا "پریشان روزی پریشان دل" مشہور ہے ان ہی پریشانیوں میں بیچارے کو ایک دن گوشت کھانے کی تمنا ہوئی مگر وہ بھی میسر نہ آسکا اس وقت اس نے چند اشعار لکھے، جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں:-

الا موت یباع فاشتریه ؛ فهذا العیش ما لا خیر فیه

کیا موت فروخت ہو رہی ہے کہ میں اسے خرید لوں کیونکہ اسکی زندگی میں کوئی خوبی نہیں ہے۔

الا موت لذید الطعم یاتی ؛ یخلصنی من الموت الکریه

کیا کوئی مزیدار موت آسکتی ہے جو مجھ کو اس مکروہ موت سے نجات دیدے۔

اذا ابصرت قبرا من بعید ؛ وددت باننی مما یلیه

جب میں دور سے کوئی قبر دیکھتا ہوں تو تمنا کرتا ہوں کہ کاش میں بھی اس کے قریب دفن ہوتا

الا رحم المهیمن نفس حر ؛ تصدق بالوفاة علی اخیه

اللہ تعالیٰ اس آزاد پر رحم کرے جو اپنے بھائی پر (مجھ پر) وفاداری کا صدقہ کردے۔

اس وقت وزیر مہلبی کا ہم سفر ایک آدمی ابو عبد اللہ صوفی یا ابو الحسن عسقلانی نامی تھا جب اس نے یہ اشعار سنے تو ایک درہم تقریباً چار آنے کا گوشت لے کر پکایا اور اسے کھلا دیا (ابن خلکان)

ان اشعار کو پڑھو اور دیکھو کہ جسے اپنی آئندہ زندگی بنانی ہوتی ہے اسے کس قدر یاس ہوتا ہے اور اپنی موجودہ زندگی کو کس قدر ناکارہ سمجھتا ہے، وزیر مہلبی بے فاقہ مست اور پریشان حال معمولی سا آدمی تھا، مگر اس کے اندر اپنی ترقی کا احساس بڑی شدت سے موجود تھا وہ اپنی زندگی کی موجودہ سطح کو زندگی نہیں قرار دیتا تھا، بلکہ اس کے نزدیک جس زندگی میں کوئی خوبی نہ ہو وہ زندگی ہی نہیں ہے اس کے لئے بہتر ہے کہ موت کو دعوت دے یا اچھے دن کی کوشش کرے، مگر وزیر مہلبی نے اس عالم میں مزیدار اور رنگین موت کو دعوت دی اور ذلیل موت پسند نہ کی، اس شدت احساس نے اسے آگے چلکر معز الدولہ دیلمی کا وزیر بنا دیا اور وہ دنیا کا بڑا آدمی بن گیا،

یہی حال قوموں اور ملتوں کے افراد کا ہوتا ہے جن قوموں میں اقدام و اقبال کی تڑپ ہوتی ہے وہ بے مزہ زندگی پر موت کو ترجیح دیتے ہیں اور عزت کی موت کو ذلت کی زندگی کے مقابلہ میں پسند کرتی ہیں اور یہی احساس ان کو بہت جلد اقبال مندی اور عروج کی بلندی پر پہونچا دیتا ہے تم بھی اپنی موجودہ زندگی کی سطح بلند کرنے کے لئے احساس و شعور کی یہی شدت محسوس کرو،

بہر حال حسن بن محمد مہلبی نے وزارت کے عہدہ پر فائز ہو کر اطمینان کا سانس لیا تو اس کے اسی دوست نے اپنی تنگی حالی و تنگ دستی سے پریشان ہو کر وزیر مہلبی کے پاس یہ دو شعر کہے۔

الا قل للوزیر فدته نفسی ؛ مقال مذکر ما قد نسیه

اتذکر اذ تقول لضنک عیش ؛ الا موت یباع فاشتریه

وزیر مہلبی سے جاکر وہ بات کہہ دو جو اسے بھولی ہوئی بات کو یاد دلادے۔

کیا تمہیں یاد ہے جب تم نے زندگی سے تنگ آکر کہا تھا کہ کہیں موت بکتی ہو تو میں اسے خرید لوں۔

جب وزیر مہلبی کو اسکی خبر لگی تو اس نے خوش ہو کر اپنے دوست کے لئے اسی وقت سات سو درہم دینے کا حکم جاری کیا، اس کے دوست نے اس کے جواب میں قرآن حکیم کی یہ آیت کہی "ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں ایسے دانہ کے مانند ہے جو سات خوشے اگائے، ہر خوشہ میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ کرتا ہے۔

اس کے بعد وزیر مہلبی نے اپنے دوست کو بلا بھیجا اور خلعت و انعام سے

زندگی اور غم زندگی

جعفر بن ورقاء شیبانی اور ابن جصاص کا عبرت آموز مکالمہ

قاضی اطہر مبارکپوری

انسان کو کئی قسم کی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں عام طور سے لوگ بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بیماری کو جانتے ہیں۔ مگر بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جس کا اچھے اچھے لوگوں کو علم نہیں ہوتا۔ اور وہ اس طرح بیمار رہتے ہیں کہ ان کا علاج نہیں ہونے پاتا۔

لاعلاج مرض دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ بلکہ ہر مرض کی دوا اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہے۔ بکل داءٍ دواءٌ یعنی ہر بیماری کے لئے علاج ہے۔ مگر جس بیماری کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں وہ مخفی ہونے کی وجہ سے اس طرح لاعلاج بن جاتی ہے کہ اگر کبھی اس کا علم ہو جائے تو بہت معمولی دوا سے فوراً صحت ہو جاتی ہے۔ یہ بیماری ذہن کی بیماری ہے۔ آدمی ذہنی بیماری میں مبتلا ہو کر گھلتا جاتا ہے۔ مگر اسے نہ بیماری کا پتہ چلتا ہے، نہ وہ اس کا علاج کرتا ہے۔ اور جس دن اسے اپنی بیماری کا علم ہو جاتا ہے۔ تو وہ معمولی دوا سے فوراً اچھا ہو جاتا ہے۔

آج ہم آپ کو اس قسم کے ایک نہایت ہی تباہ کن اور خطرناک مرض کا قصہ سناتے ہیں۔ آپ دیکھئے کہ مرض کتنا خطرناک تھا۔ مگر کتنے معمولی علاج سے کتنی تھوڑی دیر میں اچھا ہو گیا۔

علامہ قاضی ابو علی محسن بن علی بن محمد بن ابو الفہم متوفی ۳۸۴ھ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ہے جس کا نام "نشوار المحاضرة واخبار المذاکرة" ہے۔ یہ کتاب مصر میں چھپی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ امیر کبیر ابو محمد جعفر بن ورقاء شیبانی نے ۳۴۹ھ میں بیان کیا کہ ابن جصاص سے میری دوستی تھی، وہ اور میں بہت زیادہ آپس میں میل محبت رکھتے تھے۔ جب ابن جصاص کے حالات خراب ہوئے تو ان کو حالات کی گردش نے قید و بند تک پہونچا دیا تھا۔ اور وہ حکومت وقت کی طرف سے بڑی آزمائش میں ڈالے گئے تھے۔ جس زمانہ میں وہ ان سخت حالات سے فرصت پاکر اپنے گھر میں تھے میں ان سے ملا۔ صورت یہ ہوئی کہ میں دریائے دجلہ میں اپنی کشتی پر جا رہا تھا۔ سخت گرمی کا دن تھا۔ اور کڑی دھوپ تھی۔ دجلہ کے کنارے امراء کے محلات تھے۔ میں نے ایک محل کے روشندان کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا کہ ابن جصاص پریشانی میں کھڑکی کے سامنے ادھر ادھر دوڑتے ہیں۔ میں نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر اپنی کشتی ٹھہرائی اور بلا اجازت مکان کے اندر چلا گیا۔ جب انھوں نے مجھکو دیکھا تو ذرا شرمائے۔ اور جلدی سے میرے پاس آکر بیٹھ گئے۔ میں نے کہا آپ کا یہ کیا حال ہے؟ آپ کس بیماری میں مبتلا ہو گئے ہیں؟ یہ سنکر انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ طشت اور پانی منگا کر ہاتھ منہ دھویا۔ اور گھڑی بھر بے ہوش پڑے رہے۔ پھر ذرا سکون پایا تو بولے۔ کیا میری عقل کا ختم ہو جانا صحیح نہیں ہے۔ جبکہ میرے پاس سے فلاں فلاں چیزیں نکل گئیں ان کی یاد میں میرا یہ حال کیوں نہ ہو؟ اور ان چیزوں پر افسوس کی وجہ سے میری عقل کیوں نہ زائل ہو جائے

ان کی یہ بات سنکر میں نے کہا سنئے! مال کے آنے اور جانے کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ مال زیادہ سے زیادہ آسکتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ جا سکتا ہے۔ آپ یہ بات سمجھیں کہ جان، عقل اور جسم کا کوئی بدل نہیں ہے۔ ان کے جانے کے بعد پھر آدمی آدمی نہیں رہ سکتا۔ مال تو آنی جانی چیز ہے مگر جان، عقل اور بدن آتی جاتی نہیں، جو کچھ تباہ و برباد ہونے سے بچ گیا ہے اس کو آپ غنیمت سمجھئے!

آپ جس طرح کا غم کر رہے ہیں یہ اس آدمی کو کرنا چاہیئے۔ جو فقر و محتاجی اور لوگوں کے سامنے سوال کرنے کا خوف کرے۔ یا اسے ڈر ہو کہ کھانے پینے اور پہننے میں اب وہ اپنی پرانی عادت جاری نہیں رکھ سکتا۔ آپ کے لئے اس قسم کا کوئی خطرہ اور خوف نہیں ہے۔ اس وقت بھی سب کچھ تباہ ہونے کے باوجود بغداد میں آپ کے برابر کوئی سفید پوش نہیں ہے۔ یہ سنکر ابن جصاص نے فوراً کہا کہ کیا بات کہتے ہو۔ میں نے کہا سنئے! کیا آپ کا رہنے کا گھر میں وہی ٹھاٹھ نہیں ہے۔ جو تباہی سے پہلے تھا؟ اور گھر کی آرائش و زیبائش فرنیچر وغیرہ وہی نہیں ہے جو پہلے تھا۔ ابن جصاص نے کہا بے شک۔ میں نے کہا محلہ کرخ میں آپکی جائیداد باقی ہے جس کی قیمت ۵ ہزار دینار ہے؟ اس نے کہا ہاں، میں نے کہا دار جور بھی آپ کے پاس ہے۔ جس کی قیمت دس ہزار دینار ہے اس نے کہا ہاں، میں نے کہا باب الطاق میں یہ جائیداد ہے اور اس کی قیمت یہ ہے اس نے کہا ہاں، میں نے کہا بصرہ میں آپ کا ایک لاکھ دینار کا سامان ہے، اس نے کہا ہاں، اسی طرح میں ابن جصاص کی جاگیروں، جائیدادوں، سامانوں اور مالوں کو شمار کراتا گیا اور وہ ہاں ہاں کرتا گیا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کے اصرار کے ساتھ نو لاکھ دینار کی مالیت کا سامان شمار کرایا۔ پھر میں نے کہا اس کے علاوہ آپ کے گھر میں جواہرات غلام، باندی، سواری کے جانور وغیرہ فلاں فلاں قیمت کے موجود ہیں۔ اس نے سب کا اقرار کیا۔ پھر میں نے کہا بتایئے آج بغداد میں کوئی ایک لاکھ دینار کا مالک آپ کے علم میں ہے؟ پھر آپ کی پہلی عزت و آبرو اور رعب و داب عوام کے اندر موجود ہے، اور لوگوں کا خیال ہے کہ موجودہ مالیت سے دوگنا مال آپ کے پاس باقی ہے۔ یہ سنکر ابن جصاص فوراً سجدے میں گر گئے اور خدا کی حمد و ثنا کرنے کے بعد روتے ہوئے بولے۔

واللہ لقد غلب الفکر علی حتی نسیت جمیع ہذا
انہ لی وقل فی عینی لاضافتی ایاہ الی ما اخذ منی
ولو لم تجئنی الساعة لزاد الفکر علی حتی یبطل
عقلی ولکن اللہ انقذنی بک وما عزانی احد بانفع
من تعزیتک وما اکلت منذ ثلاث شیئاً واحب ان
تقیم عندی لناکل نتحدث و نتفرج

یعنی خدا کی قسم میرے اوپر فکر و غم کا غلبہ ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ میں ان تمام چیزوں کو بھول گیا تھا۔ اور یہ چیزیں میری نظر میں ضائع ہونے والے اموال کے مقابلہ میں ہیچ تھیں۔ اگر اس وقت تم نہ آجاتے تو میرا غم میری عقل کو ختم ہی کر دیتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہاری وجہ سے اس مصیبت سے نجات دیدی۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہاری جیسی کار آمد غمخواری کسی نے نہیں کی۔ میں نے تین دن سے کچھ کھایا پیا نہیں ہے۔ اب تم ٹھہرو تاکہ کچھ کھائیں پئیں۔ اور تفریح کی باتیں کریں (نشوار المحاضرہ طبع مصر ص۱۵۱ ج۱)

یہ واقعہ آپ کے لئے بہت سے نتائج کا حامل ہے۔ اور آپ اس سے بہت سے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

(۱) جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو آدمی خود بخود اپنے ہوش و حواس کھو کر مزید مصیبت مول لیتا ہے۔ حالانکہ اس وقت اسے اپنے لئے زیادہ سے زیادہ خوشی کی تلاش کرنی چاہیئے۔

(۲) آدمی اپنی کج فکری اور غلط فہمی کی وجہ سے نقصانات کا حساب تو لگاتا ہے اور اس کا خوب پروپیگنڈا کرتا ہے۔ مگر گھر میں اللہ نے جو کچھ باقی رکھا ہے اس کا نہ خیال کرتا ہے اور نہ اس کو دیکھ کر اطمینان کرتا ہے۔ بلکہ نقصان کو سوچ سوچ کر خوب خوب ناشکری کرتا ہے۔ اور اپنے کو تباہ کرتا ہے۔ کسی تاجر کو اگر سال میں چار ہزار کا نقصان ہو جائے تو اس طرح اپنے ہاتھ پیر کو سمیٹ لیتا ہے جیسے اب اس کے پاس کھانے تک کو نہیں ہے۔ حالانکہ اگر چار ہزار کا نقصان ہوا ہے تو گزشتہ سالوں لاکھوں کا منافع ہوا ہے۔ اور گھر کا کونہ کونہ روپیہ پیسہ سے بھرا پڑا ہے۔ مگر وہ نقصان کا تصور اس طرح جمائے رہتا ہے کہ منافع کا خیال تک نہیں آنے دیتا۔

(۳) فکر و غم آدمی کو کہیں کا نہیں رہنے دیتے اور بڑے سے بڑے آدمی کو بے وقوف سے بے وقوف بنا دیتے ہیں۔ اور موٹی موٹی باتیں بھی وہ نہیں سمجھتے۔ اس لئے تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ مصیبت کے وقت اللہ کو یاد کرنا چاہیئے۔ اور اس کا ہر حال میں شکر ادا کرنا چاہیئے۔ ایسا کرنے سے آدمی کی عقل ضائع نہیں ہوتی۔ اور آدمی اپنے سے بے قابو نہیں ہوتا۔

(۴) بعض مرتبہ موٹی موٹی باتیں بڑی قیمتیں ہوتی ہیں۔ اور لاکھوں روپیہ خرچ کرنے پر بھی وہ حاصل نہیں ہو سکتیں۔ آخر ابن جصاص سے کہنے والے نے کیا کہا؟ یہی موٹی موٹی باتیں بتائیں جنکو خود ابن جصاص جانتے تھے۔

(۵) بات کہنے کے طریقہ اور ڈھنگ اثر کرنے میں بڑا دخل دیتا ہے۔ اگر معمولی بات بھی قرینہ سے کہی جائے اور صورت حال کی رعایت کر کے مخاطب کی نفسیاتی حالت کو دیکھکر بات کی جائے تو اس سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

خدا ترسی سے کام لو بے حساب رزق ملے گا!

حضرت مخدوم علاء الدین علی مہائمیؒ

جنوبی ہند کا ابن العربی اور شاہ ولی اللہ

قاضی اطہر صاحب مبارکپوری

جنوبی ہند علم و فضل اور دین و دنیا میں ہمیشہ سے مشہور رہا ہے، اور یہاں بڑے بڑے فضلائے روزگار پیدا ہوئے ہیں، خود بمبئی کے اطراف میں جبکہ بمبئی کا نام و نشان بھی نہ تھا، علمائے اسلام اور بزرگان دین رہا کرتے تھے اور ان کے علمی اور دینی تعلقات ساحلی مقام ہونے کی وجہ سے ممالک اسلامیہ اور حجاز پاک سے رہا کرتے تھے، شاہان گجرات اور شاہان بہمنی دکن، شاہان عادل شاہی شاہان نظام الملکی کے زمانے میں گویا یہ علاقہ حجاز کا ایک ٹکڑا تھا جس میں علم و فضل کے اعاظم رجال موجود تھے، اس سلسلہ میں جنوبی ہند کو بعض ایسی خصوصیات حاصل ہیں، جو شمالی ہند کو حاصل نہیں ہیں،

خصوصیت سے گجرات سے لیکر مالابار اور معبر کے ساحلی علاقوں میں اسلامی زندگی کے جو کارواں گذر چکے ہیں ان کا جواب نہیں ہے، مگر افسوس کہ مسلمانوں کی بدمذاقی اور دینی روایات کی طرف سے لاپروائی نے اس کاروانِ رفتہ کے نشان بھی مٹا دیئے، اور آج ان اطراف کے مسلمان یہ نہیں جانتے کہ ان کا ماضی اس سرزمین میں کس قدر تابناک اور شاندار تھا، اور یہاں انھوں نے کس قسم کی روایات قائم کی ہیں،

آج کی مجلس میں ہم اس دیار اور اس دور کے ایک عالم دین، ولی کامل اور شیخ وقت کا تذکرہ سنا رہے ہیں، جو اسی شہر بمبئی کے ایک محلہ میں آسودہ خواب ہیں، اور آج بھی دیار ان کے علمی اور روحانی فیض سے بہرہ مند ہو رہی ہے،

حضرت مخدوم علاء الدین شیخ علی بن احمد نوائتی مہائمی رحمۃ اللہ علیہ، بمبئی کے قریب ایک جزیرہ مہائم (ماہم) میں آٹھویں صدی ہجری میں پیدا ہوئے، آپ قوم نوائت سے تعلق رکھتے تھے، یعنی آپ کے آباء و اجداد ان عربی دیار کے لوگوں میں تھے جو بحری تجارت یا بحری حرفت کے سلسلے میں ہندوستان آئے اور اس کے ساحلی مقامات پر آباد ہو گئے، اس زمانہ میں مہائم پر شاہان گجرات کا قبضہ تھا، اور یہاں پر ان کا گورنر رہا کرتا تھا، اس کے آس پاس مسلمانوں کی آبادیاں تھیں، اور وہ علوم دین اور خود دین سے پوری طرح آراستہ تھے، مہائم کی بندرگاہ سے، مکہ، عدن، اور یمن وغیرہ جہاز جاتے تھے اور آتے تھے،

حضرت مخدوم علی مہائمیؒ کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ وہ کن کن علمائے دین کے شاگرد تھے اور کس بزرگ کے مرید تھے اور انھوں نے اپنی زندگی کیسے گذاری، مگر آپ کی کتابیں بتا رہی ہیں کہ آپ اپنے وقت کے ابن العربیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ تھے،

آپ کی تصانیف دیکھنے سے آپ کی جلالتِ شان کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے، اگر آپ کسی دوسرے علاقہ میں ہوتے یا کسی دوسری قوم میں پیدا ہوتے تو نہیں معلوم آپ پر کتنی کتابیں لکھی جا چکی ہوتیں، آپ نے قرآن مجید کی ایک تفسیر دو جلدوں میں لکھی ہے، جو مصر میں چھپ چکی ہے، اس کا نام "تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان" ہے۔ اس تفسیر کی امتیازی شان یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات میں ربط کو نہایت دلنشیں انداز میں بیان کیا گیا ہے، اور مطالعہ کرنے والا خوشی اور اطمینان سے معمور ہو جاتا ہے،

آپ کی دوسری کتاب "انعام الملک العلام" ہے، یہ کتاب اسرار شریعت کے بیان میں ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ بعد کے زمانہ میں لکھی ہے، جو ہر طرح سے اپنے موضوع پر اوّل و آخر کتاب ہے، مگر اس سے پہلے خود مخدوم علی مہائمیؒ نے "انعام الملک العلام" اس موضوع پر تصنیف فرمائی تھی، افسوس ہے کہ اس اہم اور مفید کتاب کا دنیا میں کہیں وجود نہیں ہے، شاید کسی کتب خانہ میں اس کا کوئی قلمی نسخہ زمانہ کی دستبرد سے محفوظ رہ گیا ہو،

آپ کی تصنیفات میں "استجلاء البصر فی الرد علی استقصار النظر لابن مطہر الحلی" اور "النور الاظہر فی کشف القضاء والقدر" اور اس کی شرح "النصوص الاظہر فی شرح نور الاظہر" اور "مشرع الخصوص فی شرح الفصوص لابن العربی" ہے، اس کتاب میں آپ نے حضرت محی الدین ابن العربیؒ کی مشہور عالم کتاب فصوص الحکم کی شرح لکھی ہے، اس کی دو شرحیں آپ نے لکھی ہیں ایک عربی میں ایک فارسی میں اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی مشہور کتاب عوارف المعارف کی شرح "الزوارف" بھی آپ نے لکھی ہے، اور "اجلۃ التائید فی شرح ادلۃ التوحید" بھی آپ کی تصنیف ہے، اس کے علاوہ فقہ شافعی میں آپ کا ایک رسالہ ہے جس کا ترجمہ اردو زبان میں ہو چکا ہے،

اور بمبئی اور اطراف بمبئی میں شوافع حضرات اسے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں،

آپ زہد و تصوف میں شیخ ابن العربیؒ کے ہم مشرب تھے، اور ان کے نظریات کے بڑی سختی سے مؤید تھے، چنانچہ ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ یمن میں کسی عالم نے ابن العربی کی رد میں کوئی کتاب لکھی ہے، اور وہ ابن العربی کے خیالات کا سختی سے رد کرتا ہے، تو اس عالم سے اس بارے میں تبادلہ خیالات کرنے کے لئے آپ مہائم کی بندرگاہ سے سوار ہو کر یمن گئے اور اس عالم سے تبادلۂ خیالات فرمایا، آپ کی علمی مرکزیت اور شہرت گجرات اور دوسرے علاقوں میں مسلم تھی، اور بڑے بڑے علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، چنانچہ سلاطین گجرات کے زمانہ میں علوم ادبیہ کے مشہور امام علامہ بدر الدین محمد بن ابی بکر دمامینی ۸۲۰ھ میں گجرات آئے اور سوں احمد آباد میں درس و تدریس کا کام کیا، اور پھر تسہیل ابن مالک کی مشہور شرح لکھی، اسی زمانہ میں علامہ دمامینی حضرت مخدوم مہائم کی خدمت میں آئے، اور بہت دنوں تک مہائم میں مقیم رہ کر اپنی شرح کی تکمیل فرمائی،

حضرت مخدوم علی مہائمی رحمۃ اللہ علیہ نے ۸۳۵ھ میں مہائم میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے، آج بھی آپ کا مزار فیض بار ماہم میں موجود ہے، اور جب ہندوستان کے بڑے بڑے علماء بمبئی آتے ہیں، تو آپ کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوتے ہیں،

آپ کا تذکرہ مولانا غلام علی آزاد نے سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان اور مآثر الکرام میں مختصر طور پر لکھا ہے، مولانا عبد الحیٔ نے بھی یاد ایام" میں ان کا مختصر حال لکھا ہے، نیز آفتاب کوکن کے نام سے ایک مستقل رسالہ آپ کی حیات پر موجود ہے،

افسوس ہے کہ آج ہندوستان کے عوام اور خواص حضرت مہائمیؒ کے فضل و کمال سے ناواقف ہیں، ان کی کتابیں بہت کم لوگوں کو معلوم ہیں،

اگر کسی دوسرے ملک میں اتنا بڑا فاضل انسان پیدا ہوا ہوتا تو آج اس کے علم و فضل کی نشر و اشاعت اور اس کی کتابوں کے طبع و ترجمہ کے لئے ایک سوسائٹی قائم ہوتی اور اس کے ذریعہ وہ ملک اپنے اس بڑے انسان سے فیض پاتا، یہاں تو فیض کا مفہوم صرف قبر پرستی رہ گیا۔

درِ حبیبؐ پر حاضری

الحاج عتیق احمد صاحب صدیقی فاضل بھوپالی مظاہر العلوم

ایک دن اور ایک رات کے پیہم سفر کے بعد اگلی صبح ہم سفے ام البرک میں کی سجد پر پہنچے جو مدینہ منورہ سے بہت ہی قریب واقع ہے۔ دل ذوق و شوق سے معمور تھا، اور تاجدار مدینہ کے روضۂ اطہر پر حاضری کے لئے بیقرار و بے چین۔ صبح نو بجے کے قریب ہماری بس اس آقائے نامدار کے شہر میں داخل ہوئی جس کی تمنا ہزاروں میل کھینچ کر ہندوستان سے عرب لائی تھی۔ دل دھڑک رہے تھے۔ آنکھیں پرنم تھیں اور عجب وارفتگی و شوریدگی کے عالم میں پریشان تھا۔ ایک طرف جذبۂ شوق کارفرما تھا تو دوسری جانب جذبہ خوف...... کہ ہم ان سیہ اعمالوں کے ساتھ اس پرنور و بابرکت ہستی کے سامنے حاضر ہوں کہ جس نے باطل کی ظلمت کو بجھا کر شمع نبوت سے نورانیت بخشی تھی۔ آج ہم اسی کے امتی ہونے کی حیثیت سے اس کی زیارت کے لئے حاضر ہو رہے تھے۔ غرضیکہ عجیب ذوق و شوق کا عالم تھا۔ اسی اثنا میں موٹر رکا اور ہم رفتہ رفتہ موٹر سے نیچے اترے۔ یہ وہ سرزمین ہے جہاں سروں کے بل بھی چلا جائے تو

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

دھڑکتے دل، لرزتے قدموں سے قیامگاہ کی جانب رجوع کیا۔ قدم قدم پر یہ خیال دل میں پیدا ہوتا تھا کہ ممکن ہے جس جگہ ہمارے قدم پڑ رہے ہیں۔ یہ جگہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدوم فیض لزوم سے مقدس و مطہر ہوئی ہو۔ تھوڑی دیر بعد قیامگاہ پر پہونچ گئے۔ نہا دھو کر نئے کپڑے تبدیل کئے۔ اور عطر لگا کر بچشم گریاں حرم نبوی صلعم کے لئے روانہ ہوئے۔ تھوڑی دور چلکر گنبد خضرا کی جانب نظریں اٹھیں۔ اور زبان پر بے اختیار اللھم صل وسلم وبارک فیہ کے الفاظ رواں ہو گئے۔ سبحان اللہ وہ حرم نبوی صلعم سامنے نظر آ رہا ہے۔ دھڑکنیں تیز تر ہونے لگیں۔ اب ہم باب جبرئیل

شامِ مرگ سے صبحِ زندگی تک ★ سونے اور جاگنے کے اسلامی اصول و قوانین

قاضی اطہر مبارکپوری

اسلام انسانی زندگی کا ایک کامل اور جامع نظام ہے۔ جو ایک فرد سے لیکر تمام انسانیت کے لئے یکساں مفید ہے۔ اس میں زندگی کے ہر ہر لمحہ کے لئے اصول اور قانون موجود ہے۔ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک کی جس قدر حرکات و سکنات ہیں۔ ہر ایک کے لئے اسلام اپنی تعلیم رکھتا ہے۔ جو ہر حیثیت سے انسان کے لئے مفید اور ضروری ہے۔ یہ اسلامی تعلیم کی خصوصیت ہے کہ اس میں بیک وقت طبی، اخلاقی، روحانی اور مادی افادیت پائی جاتی ہے۔ اور آدمی اسلامی تعلیم پر عمل کرنے سے ہی تمام طبی، جسمانی روحانی اور اخلاقی فوائد کو حاصل کر لیتا ہے۔

آج کی مجلس میں ہم شام سے لیکر صبح تک کے اسلامی اعمال و وظائف کو سرسری طور پر بیان کرتے ہیں۔ جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ انسان اسلامی تعلیمات پر عمل کرکے اور اپنی زندگی کو اسلامی زندگی بنا کر کس طرح تمام دنیاوی اور دینی ضروریات زندگی کو آسانی سے حاصل کر لیتا ہے۔

نیند مجازی موت ہے:- فلاسفہ اور عقلاء کے نزدیک نیند کی حقیقت کیا ہے۔ اور انسان کن حالات کی وجہ سے زندگی اور موت کے درمیان برزخی زندگی گزارنے لگتا ہے۔ اور سو جاتا ہے؟ یہ بحث ان لوگوں کے لئے چھوڑ دیجئے جو اپنے علم اور فن کے ذریعہ قدرت کے کاموں کو معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کی حقیقت تک پہنچ کر اپنے کو فلسفی اور سائنٹسٹ بنانا چاہتے ہیں۔ اسلام اس کا مخالف نہیں۔ بلکہ وہ تو قدرت میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور انسانی استعداد کو اس کے ذریعہ اجاگر کرنا چاہتا ہے۔ اسلامی نقطہ سے نیند ایک موت ہے۔ جو اس موت سے مختلف ہے۔ جس کے بعد آدمی پھر دوبارہ دنیا میں نہیں آتا۔ بلکہ یہ موت ایسی ہے کہ آدمی آٹھ سات گھنٹوں کے بعد پھر زندہ ہو جاتا ہے۔ یہ نیند جسے ہم موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ انسانی زندگی کی بقا اور تحفظ کے لئے ہے۔ اگر نیند نہ آئے تو آدمی زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔ اور اس کی زندگی کا نظام ابتر ہو جائیگا۔

یہ موت جو روزانہ آٹھ چھ گھنٹے کے لئے انسان پر طاری ہوتی ہے۔ حقیقی موت سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ اس لئے جس طرح اسلام حقیقی موت اور اس کے بعد کی زندگی کے لئے طرح طرح کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی طرح اسلام اس مجازی موت کے لئے اور اس کے بعد صبح کو ملنے والی نئی زندگی کے لئے بھی کچھ خاص خاص تعلیمات دیتا ہے جن پر عمل کرنے سے رات کے برزخی وقت اور صبح کے بعد ملنے والی زندگی کے لئے سکون و حفظ کا پروانہ ملتا ہے۔ اور ان پر عمل نہ کرنے سے بستر کی قبر اور صبح کی دوسری زندگی کے لئے خطرات پیدا ہوتے ہیں۔

رات کا عالم:- شام یوں تو روزانہ ہوتی رہتی ہے۔ اور نظام شمسی کے ماتحت رات اور دن کا سلسلہ جاری ہے۔ مگر غور کیجئے کہ شام اپنے پیچھے کیا اندوہناک مناظر لاتی ہے۔ ظلمتوں کا طوفان آتا ہے۔ خاموشیوں کا سیلاب آتا ہے۔ دنیا پر سکوت کا سایہ چھا جاتا ہے۔ ذرے ذرے پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ دن کی ساری رنگینی سمٹ سمٹا کر درختوں، ویرانوں، گھروں، باغوں اور غاروں میں کھو جاتی ہے۔ اور ہر طرف ہو کا عالم ہو جاتا ہے۔ کیڑے مکوڑے اپنے بلوں سے نکل پڑتے ہیں جنگل کے جانور جھاڑیوں سے باہر نکل کر گھومنے لگتے ہیں۔ وحشی چرند اور پرند غول در غول ادھر ادھر پھرنے لگتے ہیں۔ اور ارواح خبیثہ اور شریر جنات خاموش اندھیروں اور سنسان ویرانوں میں عدوان و شرارت کرنے لگتے ہیں۔ رات کے اندھیرے اور خاموشی میں جانی پہچانی صورتیں اچانک سامنے آجائیں تو انسان ڈر جاتا ہے۔ سنی سنائی آوازیں اگر ایک بار کی کان میں پڑ جائیں تو آدمی کانپ جاتا ہے۔ اور دیکھا دکھایا سایہ اگر یک بیک نظر آجائے تو دلیر سے دلیر آدمی سہم جاتا ہے۔ چور ڈاکو نکلتے ہیں دشمن مقابلہ کے لئے چلتے ہیں۔ اور زہریلے جانور اور درندے پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان حالات میں انسانی زندگی وہ بھی احساس و شعور سے محروم ہونیوالی اور نیند میں گم ہونے والی کن خطرات میں ہوگی۔ آپ اس کا اندازہ بخوبی فرما سکتے ہیں۔

شام کی دعا:- ان حالات کے ماتحت اسلام نے ہر شام ہی سے انسانی تحفظ کی تدبیر بتائیں اور عالم خواب میں حفاظت خود اختیاری کے حق سے بھی محروم ہونے والے انسان کی حفاظت کے لئے روحانی ہتھیار دیئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھے یہ دعا سکھائی اور فرمایا کہ تم شام اور صبح کو اور بستر پر لیٹے وقت یہ دعا پڑھا کرو۔

اللھم عالم الغیب والشھادۃ فاطر السموات والارض کل شئی و ملیکہ اشھد ان لا الہ الا انت اعوذ بک من شر نفسی ومن شر الشیطان و شرکہ (الادب المفرد امام بخاری ص۱۷۱ طبع مصر)

یہ دعا اپنی جامعیت اور افادیت کے لحاظ سے بہت ہی اہم ہے۔ اور رات کے تمام خطرات کے روک کے لئے کافی ہے۔

سوتے وقت کی دعا:- حضرت جابر رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب تک الم تنزیل اور تبارک الذی کی سورتیں نہ پڑھ لیتے تھے، نہ سوتے تھے، حضرت حذیفہ رضؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سونے کا ارادہ فرماتے تھے۔ تو یہ دعا پڑھتے تھے:-

باسمک اللھم اموت واحیا۔

نیز حضرت براء بن عازب رضؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے بستر مبارک پر تشریف لائے تو اپنے دائیں پہلو پر لیٹتے اور یہ دعا پڑھتے

"اللھم وجھت وجھی الیک واسلمت نفسی الیک والجات ظھری الیک رھبۃ ورغبۃ الیک لا منجا ولا ملجا الا الیک امنت بکتابک الذی انزلت و نبیک الذی ارسلت۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص یہ دعا پڑھکر رات کو سوئے گا۔ اور اسی رات کو مر جائے گا تو فطرت پر مرے گا۔ (الادب المفرد ص۱۷۱)

سونے کا صحیح طریقہ:- جب آدمی بستر پر جاتا ہے تو ایک خاص وقت کے لئے اس کے تمام قویٰ سست اور سرد پڑ جاتے ہیں۔ اور جسمانی نظام پر ایک سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ ہضم و انہضام خون کے دوران اور سانس آنے جانے کا طریقہ بے قابو سا ہو جاتا ہے۔ اگر آدمی بے قاعدہ ہو جائے گا تو خون کا دوران بند ہو جائیگا۔ دل کی فطری حرکت پر ضرب پڑ جائیگی، بدن کا حصہ دب جائیگا اور جسمانی وضع قطع میں فرق آجانے سے صحت و تندرستی پر برا اثر پڑے گا۔ اس لئے اسلام نے سونے کا ایسا طریقہ بتایا ہے جو ہر حیثیت سے اطمینان بخش ہو۔ اور اس میں کسی قسم کے ضرر کا کوئی شبہ نہ ہو۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب بستر پر تشریف لیجاتے تو دائیں پہلو پر لیٹتے تھے نیز اپنے دست مبارک کو اپنے دائیں رخسار کے نیچے رکھ لیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:-

اللھم قنی عذابک یوم تبعث عبادک (ص۱۷۹)

آپ نے اسی طریقہ پر سونے کی تعلیم دی ہے۔ اس سے جسمانی نظام کے کل پرزوں اور ان کی حرکتوں میں ایسا فرق نہیں آتا جو صحت اور بحالی کے لئے مضر ہوں۔

سونے کا غلط طریقہ:۔ حضرت طخفہ غفاری اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں مسجد نبویؐ میں رات کے پچھلے پہر اپنے پیٹ کے بل سویا ہوا بے خبر پڑا تھا کہ ایک آنے والے نے آکر اپنے پیر سے مجھے حرکت دی اور کہا کہ اٹھو۔ یہ ایسا لیٹنا ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔ جب میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے سر پر کھڑے تھے ( )
منہ کے بل سونا نہایت ہی مذموم اور مکروہ عادت ہے۔ صحت کے لئے بھی یہ بات سخت مضر ہے۔ اور اخلاقی حیثیت سے اس کی کراہت کھلی ہوئی ہے۔ اس لئے اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

برہنہ سونا:۔ برہنہ سونا بہت ہی معیوب بات ہے اور شرم و حیا کے سخت خلاف ہے۔ جو اسلام کا زیور اور ایمان کی روح ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن علیؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص گھر کی چھت پر اس طرح سوئے کہ اس کے اوپر پردہ نہ ہو تو اس سے ذمہ داری ہٹ جاتی ہے۔ حضرت علی بن عمارہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ تو میں ان کو افلح کی چھت کے اوپر لے گیا۔ مگر آپ یہ کہتے ہوئے نیچے اتر آئے کہ ہو سکتا تھا کہ میں اس رات کو اس طرح سو جاتا کہ مجھ سے ذمہ داری ہٹ جاتی۔ (۱۴۷) یعنی حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کو رات کے کسی حصہ میں کھلی چھت پر سونے میں بعض اعضا کے کھل جانے کا خطرہ تھا۔ اس لئے آپ نے اس کے اوپر سونا پسند نہ فرمایا۔ ویسے بھی کمرے کے اندر ننگے سونا بہت ہی مذموم بات ہے۔ اور شرم و حیا کے خلاف ہے۔ اس سے بچنا ہر حال میں لازمی اور بہتر ہے۔

ہاتھ منہ صاف کر کے سونا چاہیئے:۔ سوتے وقت ہاتھ منہ وغیرہ دھو لینا چاہیئے۔ اور منہ اور ہاتھ میں جھوٹا اور مہک نہیں رہنے دینا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ چوہا، چیونٹی یا کوئی زہریلا جانور آکر کاٹ لے اور زندگی خطرے میں پڑ جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس طرح سو جائے کہ اس کے ہاتھ میں مہک وغیرہ ہو اور اسے نہ دھوئے اور پھر اسے کوئی بات لاحق ہو جائے تو وہ اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے بھی یہی روایت ہے۔

بستر کو جھاڑنا اور صاف کرنا چاہیئے:۔ جب بستر پر جانا ہو تو پہلے اسے صاف کرنا اور جھاڑنا چاہیئے اور ایسا نہیں چاہیئے کہ صبح کو سو کر اٹھنے پر بستر ویسا ہی چھوڑ دے اور شام کو پھر اس پر جا کر پڑ رہے۔ کیا معلوم اس کے اوپر یا نیچے کیا چیز پڑی ہو۔ کسی نے کوئی خطرناک چیز غلطی سے یا جان بوجھ کر رکھدی ہو۔ کوئی کیڑا مکوڑا چھپا ہوا بیٹھا ہو یا کوئی سوئی گری ہوئی ہو۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی اپنے بستر پر جائے تو اسے چاہیئے کہ کپڑے سے بستر کو جھاڑے۔ کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کے اٹھنے کے بعد اس کے بستر پر کیا چیز آگئی ہے بستر جھاڑنے کے بعد بھی سوتے وقت بسم اللہ کرے ( )

صبح اٹھنے کی دعا:۔ صبح تڑکے اٹھنا چاہیئے اسی میں برکت ہے۔ اٹھتے ہی اللہ کا نام لینا چاہیئے کہ اس نے اس موت کے بعد دوبارہ زندگی دی۔ ورنہ ہم مر چکے تھے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو یہ دعا پڑھا کرتے تھے:۔

اللھم بک اصبحنا و بک امسینا و بک نحیا و بک نموت و الیک النشور (الادب المفرد ۱۲۶)

شام کی موت اور صبح کی زندگی کے درمیان یہ چند اعمال و وظائف فی الحال بیان کئے گئے۔ کسی موقع پر ان شاء اللہ مزید باتیں لکھی جائیں گی۔

انسانی خدمت اور اسلامی اوقاف

★ تیموں، بیماروں، لاوارثوں، عورتوں، طالب علموں اور حاجتمندوں کیلئے مسلمانوں کی مساعی جمیلہ

(قاضی اطہر مبارکپوری)

مسلمانوں نے اپنے دورِ اقبال و عروج میں انسانی خدمت کا وہ شاندار ریکارڈ قائم کیا ہے۔ جس کے پیش کرنے سے آج کے زبانی ہمدردِ انسانیت سراسر مجبور و معذور ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے کن کن مخفی گوشوں سے انسانوں کی خدمت کی ہے۔ اور مسلمانوں میں کیسے کیسے مخلص اور ایثار پسند ہوگئے ہیں۔ آج اسی قسم کے چند اوقاف مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیے۔ اور مسلمانوں کی انسانی خدمت کا اندازہ کیجئے۔

دمشق میں پاگلوں، مجذوبوں اور جذامیوں کے مکانات کے علاوہ جانوروں کے لئے بھی وقف کئے۔ مرج دمشق ان گھوڑوں کے لئے وقف تھا۔ جو جہاد میں تھک کر بیکار ہو جاتے تھے جو قوم گھوڑوں کی خدمت کے لئے اپنی دولت کو وقف کر کے بیکار اور بوڑھے جانوروں کا بندوبست کرتی ہے، وہ قوم کبھی اللہ کی بے زبان مخلوق پر ظلم و ستم روا نہیں رکھ سکتی، یہ سراسر غلط ہے کہ مسلمان جانوروں پر رحم نہیں کرتے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مسلمان قوم سے زیادہ کوئی قوم جانوروں کے لئے رحمت ثابت نہیں ہوئی۔ ہاں اگر ان جانوروں کو جنہیں قدرت نے انسانی ضرورت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ انسانی ضرورت میں استعمال کرنا بھی جرم اور بے رحمی ہے تو یہ سب سے بڑا بے رحم وہ کسان ہے جو بیلوں کو رات دن سردی گرمی اور دھوپ میں جوت کے بیاسے گاڑیوں اور کھیتوں میں استعمال کرتا ہے۔

مکہ معظمہ میں متعدد اوقاف تھے ایک وقف اس غرض سے تھا کہ اس کے منافع سے مکہ میں کتوں کا آنا جانا بند کر دیا جائے۔ ایک زمانہ تھا کہ مسلمان کتے کو اس قدر نجس اور ناپاک سمجھتے تھے کہ مکہ جیسے شہر میں ان کا آنا جانا بند کرنے کے لئے مستقل وقف تھا۔ اب یہ زمانہ ہے کہ سانپوں اور گھربار کی حفاظت کرنے کرانے والوں کا ذکر کیا، شوقین لوگ کتوں کا شوق کئے ہوئے ہیں۔ اور صفائی کا سب سے بڑا دعویٰ کرنے والے اپنی بغل میں کتا جیسی نجس چیز کو لئے پھرتے ہیں۔ اور حد درجہ نجس اور ناپاک رہنے کے باوجود اپنے آپ کو نہایت ہی پاکیزہ تصور کرتے ہیں ——

مکہ میں ایک وقف اس لئے تھا کہ شادی بیاہ کی تقریب میں آرائش کے سامان مستعار دیئے جائیں۔ لوگ زیورات، کپڑے، فرش، برتن وغیرہ لے جاتے اور کام نکال کر واپس دے جاتے تھے۔

مسلمانوں نے اپنے معاشرہ کی عزت و آبرو کی برقراری کے لئے بہت جتن کئے۔ اور اپنے ہر چھوٹے بڑے کی عزت کو اپنی عزت جانا۔ وہ کسی بھی موقع پر اپنے کسی بھائی کو خفیف نہیں ہونے دیتے تھے۔ مسلمانوں نے امداد باہمی کا جو معیار قائم کیا ہے۔ اس کی مثال آج کل محال ہے۔ افسوس ہوتا ہے کہ وہی قوم جو انسانیت کی عزت و حرمت کی نگراں تھی۔ آج اپنے بھائیوں کی عزت لینے کی بجر میں رہا کرتی ہے۔ اور کسی بھی معاملہ میں امداد و تعاون نہیں کرتی۔ بلکہ الٹے بگاڑنے کی کوشش کرتی ہے۔

تونس میں ایک وقف تھا جس کا منافع یتیم بچوں اور غریب لڑکیوں کے نکاح پر خرچ ہوتا تھا ایک عمارت کا نام دار الامہ تھا۔ وقف تھی۔ یہ عمارت اس لئے تھی کہ جن عورتوں کو اپنے شوہر سے ناراضگی پیدا ہو جائے۔ وہ اس جگہ آکر قیام کریں، کھائیں پئیں، یہاں تک کہ شوہر اور اس کے درمیان ناچاقی ختم ہو جائے۔

مسلمانوں نے ازدواجی زندگی کی خوشحالی کے لئے ایڑی سے چوٹی تک زور خرچ کیا۔ وہ اپنی انفرادی زندگی اور انسانوں کی اجتماعی زندگی کو زن و شوئی کے بارے میں بہت ہی خوشگوار دیکھنا چاہتے ہیں، مسلمانوں کے نزدیک میاں بیوی کے درمیان لڑائی جھگڑا انسانی دشمنی کا سب سے بڑا مظاہرہ کرتی ہے اس لئے مسلمان کوشش کرتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے ازدواجی زندگی کی خدمت کی جائے اور زوجین کے مابین صلح و محبت کی فضا قائم کی جائے اس لئے انہوں نے اپنی دولت کو وقف کیا۔ قوم کے غریبوں اور یتیموں کی شادی کے لئے بندوبست کیا۔ یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے شوہر اور بیوی کی تلاش، اور ان کے نکاح کے جائز اخراجات کے لئے اپنی دولت کا ایک معتد بہ حصہ وقف کر دیا۔

اور میاں بیوی میں ہو جانے والی ناچاقیوں کو خوبصورتی سے ختم کرنے کے لئے مسلمانوں نے بے زبان مخلوق کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام کیا، غور کرو جب عورت سے اس کا شوہر ناراض ہو جاتا ہے۔ اور اس سے بے جا سختی برتتا ہے۔ تو عورت کی جان

پر کس طرح بن آتی ہے۔ اور وہ ایسی حالت میں کہیں کی نہیں ہوتی۔ اس مایوسی اور بے کسی کے عالم میں اس کا سہارا کوئی نہیں ہوتا۔ مسلمانوں نے صنفِ نازک کے اس نازک وقت کے لئے کھانے پینے رہنے سہنے کا بندوبست کر کے عورت کی شاندار خدمت انجام دی۔

ایک وقف محتاجوں کے ختنہ کے لئے بھی تھا۔ جس کے ذریعہ ختنہ کے وقت لباس اور روپیہ پیسہ دیا جاتا تھا۔ ختنہ اسلام کی ملی نشانی ہے۔ اور ہر مسلمان کے لئے یہ رسم امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے مسلمانوں نے اس پر ہمیشہ سے زیادہ توجہ دی ہے اور اس کے لئے اوقاف بھی مقرر کئے ہیں۔ غالباً اندیر ضلع سورت میں بھی ایک وقف ختنہ کے لئے ہے۔ جس میں نو مسلموں کے ختنہ کے لئے آسانی فراہم کی جاتی ہے خاص مدت تک کھانے پینے اور رہنے کی آسانی فراہم کی جاتی ہے۔

ایک وقف بچوں کی ہمت افزائی اور تفریح کے لئے تھا۔ جمعرات کو بچے جمع ہوتے تھے۔ اور ہفتہ بھر کا پڑھا ہوا سناتے تھے۔ اس کے بعد ان کو نقد انعامات دیئے جاتے تھے تاکہ ان کا حوصلہ بڑھے۔

اللہ اکبر مسلمانوں نے دینی تعلیم کی اشاعت میں کیا کیا نفسیاتی طریقہ اختیار کیا ہے۔ اور بچوں کے ذہن میں علم کو اجاگر ہونے کے لئے کیا کیا ترکیب کی ہے۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ مسلمانوں میں بچوں کو دینی تعلیم میں لگانے کے لئے اور ہمت و حوصلہ سے تعلیمی سرگرمی جاری رکھنے کے لئے کس قدر تڑپ تھی۔ اور وہ دینی تعلیم کی اہمیت کس قدر محسوس کرتے تھے۔ یہ جس زمانہ کا تذکرہ ہے۔ وہ مسلمانوں کے عروج کا دور تھا۔ جس دور میں گھر گھر دار العلوم اور مدرسہ تھا۔ اندازہ کرو کہ آج مسلمان بچوں کو دینی تعلیم دینے کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔

دمشق اور تونس میں اس غرض سے اوقاف تھے کہ اگر کسی نوکر کے ہاتھ سے مالک کا شیشہ کا برتن گر کر ٹوٹ جائے تو وہ اس کے ٹکڑوں کو دکھا کر صحیح و سالم برتن حاصل کر لے اور اپنے آقا کو دیدے۔ اسی قسم کا ایک وقف مغرب کے شہر فاس میں تھا۔

ایک وقف اس کے لئے تھا کہ اگر کسی آدمی سے کسی کے اوپر تیل گر جائے یا اس کے کپڑے میں کوئی چیز لگ جائے تو وہ اس وقف سے دوسرا کپڑا حاصل کر سکے۔

اسلام میں ملازموں اور نوکروں کے بہت سے حقوق ہیں۔ اور آقا و ملازم کے مابین آداب و اخلاق ہیں۔ مسلمانوں نے اپنے دورِ اقبال میں مزدوروں، نوکروں اور ملازموں کو خیر خواہی کر کے ان کے مفاد کے لئے ایسے ایسے اوقاف قائم کئے جن سے ان کی معمولی معمولی باتوں میں خدمت کی جاتی تھی تاکہ ان کو ان کے مالک سخت و سست الفاظ میں یاد نہ کر سکیں اور مزدوروں کے وقار کو ٹھیس نہ پہونچ سکے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے تمام متعلقین اور ملازمین کی حفاظت و رعایت کے لئے بڑی بڑی قربانی دی ہے۔

مغرب کے شہر فاس میں ایک وقف اس مقصد کے لئے تھا کہ اس کی آمدنی سے عام راستوں سے پتھر اور کنکر ہٹائے جائیں اور راستوں کو آنے جانے والوں کے لئے صاف ستھرا رکھا جائے۔ راستہ انسانوں کی مشترک دولت ہے۔ جس پر سب ان کو چلنے کا حق حاصل ہے۔ اور چونکہ اس کا تعلق افراد و اشخاص سے گزر کر عام انسانیت کی خدمت سے ہے۔ اس لئے مسلمانوں نے اس کی استواری اور صفائی کے لئے وقف قائم کیا۔ اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس فرمان کی تابعداری کی راستہ سے تکلیف پہونچانے والی چیز کا ہٹانا بھی ایمان میں سے ہے۔

ہمارے امیر طبقہ اور خوشحال گروہ کو ان حقائق سے سبق لیکر انسانی خدمت اور عوامی فلاح کے کام کرنا چاہیئے۔ اور خدا نے جو کچھ دیا ہے اس کا عملی شکریہ ادا کریں۔ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیاوی دولت میں عوام کا حق ہے۔ اور زکوٰۃ کے فریضہ کے علاوہ بھی عوام کے حقوق مالداروں کے اوپر ہیں۔ جن کے ادا نہ کرنے سے ان کے کاموں میں بے برکتی آ جاتی ہے۔ اور نقصان ہوتا ہے۔ پس اے وہ لوگو! جن کو اللہ نے دولت دی ہے۔ اپنی دولت کو خدا کی مرضی کے لئے اللہ کے محتاج بندوں پر خرچ کرو اور ایک کا ستر پاؤ۔

ایک حاجی، ایک امام اور ایک درزی، خدا کے تین بندوں کے کردار کا لافانی شاہکار

قاضی اطہر مبارکپوری

علامہ شیخ محمد بن عبدالرحیم ابو حامد اندلسی غرناطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "تحفۃ الالباب نخبۃ الاعجاب" میں چھٹی صدی ہجری کے واقعات میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ شہر مصر میں عفان نامی ایک سخی اور صاحب دل کا مزار ہے، اس کے سامنے جو شخص بھی گذرتا ہے اس بزرگ کے لیے دعا کرتا ہے، میں نے مصر کے علماء سے اس بات کے بارے میں تعجب سے دریافت کیا کہ یہ آدمی کیا کام کرتا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد بھی ہر گذرنے والا اس کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے، لوگوں نے بتایا کہ عفان ایک درزی تھا، جس نے سخاوت اور خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کے نتیجہ میں یہ مرتبہ حاصل کیا، اس آدمی کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ مغربی مسلمانوں میں سے ایک شخص حج کے ارادے سے مصر آیا، اس کا ارادہ یہ بھی تھا کہ حج ادا کرنے کے بعد اللہ کے گھر میں کچھ دنوں تک سکونت اختیار کرے، اس کے پاس کئی ہزار کی رقم تھی، سوچا کہ یہ مال مصر ہی میں کہیں رکھ دوں، واپسی پر لے لوں گا، چنانچہ اسی نیت سے وہ شخص مصر کی مشہور مسجد جامع عمرو بن العاصؓ کے امام کے پاس آیا، یہ امام نہایت بزرگ اور نیک عالم تھے، مغربی تاجر نے آکر کہا حضرت میں آپ کی خدمت میں ایک ایسے کام کے لیے آیا ہوں جس میں آپ کو ثواب اور مجھے آسانی ہے، میرا یہی سوال ہے کہ آپ میری آرزو کو پورا کریں، اور مجھے ناکام واپس نہ کریں، امام صاحب نے فرمایا انشاء اللہ میں آپ کا کام کر دوں گا، تاجر نے کہا بات یہ ہے کہ میں حج کے لیے جانا چاہتا ہوں اور بیت اللہ میں کچھ دنوں تک قیام کرنا چاہتا ہوں، میرے پاس کچھ مال ہے، میں چاہتا ہوں کہ اسے آپ کے پاس امانت رکھ دوں، اپنے پاس رکھنے میں ہر طرح کا خطرہ ہے، اس کے بعد امام صاحب نے مال لیکر اپنے گھر میں رکھ لیا، اور وہ تاجر حج کے لیے روانہ ہو گیا،

ادھر امام صاحب کے کئی لڑکیاں تھیں، گھر میں اتنی وسعت نہ تھی کہ آپ بچیوں کا نکاح کر سکیں، ایک دن امام صاحب کی بیوی نے کہا کہ یہ مال جو آپ کے پاس امانت کے طور پر رکھا ہوا ہے اس سے کچھ کپڑے، زیورات اور کچھ سامانِ نکاح خرید لیجئے، تاکہ بچیوں کی شادی کر کے فراغت اور اطمینان حاصل کر لیا جائے، جب وہ سب اپنے شوہروں کے پاس چلی جائیں گی، اور اس مال کا مالک حج سے واپس آجائے گا تو ہم ان لڑکیوں کے گھروں سے اُن کے تمام زیورات اور سامان لیکر فروخت کر دیں گے، اور پہلے کی طرح سونا بنا کر واپس کر دیں گے، ایسی صورت میں امانت بھی ادا ہو جائیگی اور لڑکیوں کی شادی بھی ہو جائے گی، عورت اپنی اس رائے پر برابر اکڑی رہی، اور امام صاحب کے انکار کی پرواہ نہ کی،

یہاں تک کہ امام صاحب نے یہ اقدام کر کے تمام لڑکیوں کی شادی کر ڈالی، اور ہر لڑکی کو زیور اور سامان دیکر رخصت کر دیا، تین سال کے بعد وہ تاجر حج کر کے واپس آیا، اور جامع عمرو بن العاصؓ میں جاکر امام صاحب کو سلام کیا، تو امام صاحب نے بڑے تپاک سے استقبال کیا، اور فرمایا کہ کل آپ اپنی امانت لے لیں، تاجر نے کہا کوئی حرج نہیں ہے جب موقع ہو عنایت فرما دیجئے گا،

اس کے بعد امام صاحب متفکر گھر لوٹے اور اپنی عورت سے کہا میں تو صبح منہ اندھیرے کہیں باہر نکل جاؤں گا اور مصر سے نکل کر کسی ایسے جنگل میں چلا جاؤں گا، جہاں سے میری کوئی خبر نہ مل سکے، امانت کا مالک آگیا ہے، اور اب میں اپنی رسوائی سے ڈر رہا ہوں، جب رات ہوئی تو امام صاحب گھر سے نکل کر بلا سوچے سمجھے چل پڑے، چلتے چلتے کوچۂ عفان خیاط سے گذرے تو اسے بند پایا، البتہ مسجدِ عفان کھلی پائی، اور اندر گھس گئے، یہ دیکھ کر عفان نے گھر ہی سے کہا یہ کون آدمی ہے جو اس قدر تڑکے آگیا ہے،

جب عفان مسجد میں آئے تو دیکھا کہ ایک بزرگ آدمی تشریف فرما ہیں، عفان نے سلام کیا اور سوال کیا کہ آپ کون ہیں، کہاں سے تشریف لائے ہیں، اور کن حالات میں گھرے ہوئے ہیں؟ امام صاحب نے جواب کے بدلے سوال کیا کہ آپ بتائیے کون ہیں؟ عفان نے کہا میں ایک اجنبی آدمی ہوں،

یہ سنکر امام صاحب کو قدرے اطمینان ہوا، اور کہا کہ میں جامع عمرو بن العاصؓ کا امام ہوں، مجھ پر ایک بہت بڑی مصیبت پڑ گئی ہے، اس کے بعد امام صاحب نے اپنے تمام حالات بیان کیے، اور کہا کہ میں اب اس شہر سے بھاگ جانا چاہتا ہوں، اور بدنامی کے ڈر سے میرا ارادہ واپس آنے کا نہیں ہے، ان باتوں کو سنکر عفان نے کہا کہ شاید اللہ تعالیٰ کوئی معاملہ میرے لیے پیدا کر دے، جس میں آپ کے لیے خیر و برکت ہو، یہ کہکر عفان نے مسجد سے باہر نکل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا، تاکہ امام صاحب چلے نہ جائیں، پھر اپنے گھر میں گئے، اور نوکروں کے سر پر سونے کی اتنی تھیلیاں لادیں جو کہ امام صاحب کی امانت کی ادائیگی کے لیے کافی ہو جائیں، اور امام صاحب سے کہا کہ یہ مال مجھ سے آپ لیکر امانت ادا کر دیں، اور لڑکیوں کے زیورات کو اطمینان سے فروخت کریں، تاکہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو سکے، امام صاحب یہ مال لیکر خوش خوش گھر واپس آئے، اور راستہ بھر اللہ کا شکر کرتے رہے اور عفان کو دعا دیتے رہے،

جب دوسرے دن مغربی حاجی صبح کو آیا، تو امام صاحب نے یہ تمام تھیلیاں اس کے سامنے رکھ دیں، مغربی حاجی نے کہا کہ امام صاحب! یہ مال میرا وہ مال نہیں ہے، جسے میں نے آپ کے یہاں امانت رکھا تھا، اگرچہ وزن اور عدد برابر ہے، مگر یہ میرا بعینہ مال نہیں ہے، لہٰذا جب تک آپ مجھ سے حقیقت حال سے واقف نہ کریں گے، میں اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا، یہ سنکر امام صاحب نے بلا کم و کاست پورا واقعہ بیان کر دیا،

مغربی حاجی نے یہ واقعہ سنکر کہا،

ایھا الشیخ اما الودیعۃ فحق اللہ تعالیٰ کنت واطلب لہ مستحقاً وقد وجدتہ و المال حقک ولا شکر الا للہ تعالیٰ۔

یعنی اے حضرت! یہ امانت کا مال درحقیقت میرے پاس اللہ تعالیٰ کا حق تھا، جس کے لیے میں مستحق کی تلاش میں تھا، لہٰذا یہ مال آپ کا حق ہے اور جہاں تک شکر کا تعلق ہے وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے،

یہ سنکر امام صاحب اور ان کے گھر کے لوگ بہت خوش ہوئے، اور سب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، امام صاحب اسی وقت سارا مال لیے ہوئے، عفان کے پاس آئے، اور کہا کہ مغربی حاجی نے ہمیں معاف کر دیا ہے، لہٰذا آپ اسے شکریہ کے ساتھ واپس لے لیں، عفان نے تمام واقعہ سنکر کہا

الحمد للہ الذی اراح سرک ووسع علیک ان ھذا المال لم اخرجہ الیک لیرجع الیّ انما اخرجتہ ھبۃ لک لاجل اللہ تعالیٰ،

یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کے راز کو پوشیدہ رکھا، اور آپ کو وسعت بخشی، اس مال کو میں نے اس لیے آپ کو نہیں دیا تھا کہ پھر میرے پاس واپس آجائے گا، بلکہ میں نے تو اسے آپ کو دیکھ کر لوجہ اللہ نکال دیا تھا، ۔

(تحفۃ الالباب طبع یورپ ص ۱۴۳ و ۱۴۴)

پہلوں کے واقعات پچھلوں کے لیے نشانِ راہ ہیں، اور ہمیں ان ہی واقعات و حقائق کی روشنی میں چلنا چاہیے، ایک مردِ خدا نے ایک حاجی کی امانت رکھی، نیت بخیر تھی، مگر حالات و دنیا کی ابتری نے مجبور آ خیانت کرا ہی دی، نیتوں کا حال اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، امام جامع عمرو بن العاصؓ کی پریشانی اور غیرت کو دیکھو اور ان کی مجبوری کو دیکھو، اور فیصلہ کرو کہ اس ابتر حالت میں قابل رحم تھی، ان کی خیانت قابلِ گرفت تھی؟ ہم اس بارے میں جو فتویٰ چاہیں دیں، مگر رحمتِ خداوندی کا فتویٰ کچھ دوسرا ہی ہے،

سچ ہے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جب اپنی مصیبتوں میں اپنی مجبوری کو کام میں لاکر اپنی عاجزی و فروتنی کی ساری پونجی خدائے ذوالجلال کے دربار میں لاکر حاضر کر دیتے ہیں تو پھر رحمتِ خداوندی کے تیور بدل جاتے ہیں،

ساتھ ہی ایک درزی کے دل کو دیکھئے جسے خدا نے دولت دی تھی، اور دولت کے ساتھ ساتھ دل بھی دیا تھا جس کا نام "عفان مصری" تھا، وہ نفسِ غنیٰ سے معمور تھا، اس نے خدا کی راہ میں، خدا کے نیک بندوں کی حاضری اور خدا کی رضاجوئی کے لیے، اپنی دولت کے خزانے لٹائے، اور دنیا میں اس طرح عزت حاصل کی کہ اس کی قبر سے ہر گذرنے والا اس کے لیے دعائے خیر کرتا ہے،

دولت فانی ہے، دنیا کی زندگی فانی ہے، اس کا ہر کام اور ہر نام فانی ہے، اگر باقی رہنے والی کوئی چیز ہے تو خدا کی ذات اور نیک نامی ہے؟

بس اے وہ لوگو! جن کو خدا نے دولت کے ساتھ دل دیا ہے، اپنی اس زندگی کو لافانی بنائیے

کعبہ کے دو راہی کلیسا میں :-

محرومی اور بدبختی کی ایک عبرتناک کہانی

اے اللہ ! ہمیں حُسن آغاز کے ساتھ حُسن انجام کی بھی توفیق دے ،

(قاضی اطہر مبارکپوری)

یہ دنیا دار العمل ہے ، جو شخص یہاں کام کریگا وہ آخرت کے دار الجزاء میں پائے گا ، اور کسی کے عمل سے ذرہ برابر بھی کم نہیں کیا جائے گا ، پھر رحمت الٰہیہ نے دنیا میں انسان کو نیک و بد کی تمیز دی ہے ، اور ساتھ ہی نیک عمل کی توفیق بھی دی ہے ، اور ہر وہ شخص اس دنیا میں عمل و کردار کی بہرہ مندی دکھا کر آخرت کی دائمی نعمتوں اور ابدی لذتوں سے فیضیاب ہوتا ہے ، جس کی قسمت میں بدبختی اور حرماں نصیبی نہیں ہے

اس دنیا میں سب سے بڑی محرومی اور سب سے زیادہ خطرناک حرماں نصیبی یہ ہے کہ انسان کو توفیق الٰہی نواز دے ، اور اسے نیک عمل کی شاہراہ پر لگائے مگر وہ انسان اپنی شقاوت و بدبختی سے اس شاہراہ سے لوٹ آئے ، اور بدعملی و بدکرداری کی ظلمتوں میں اپنے آپ کو گم کر دے ، ایسی زندگی کا کارواں منزل فلاح و نجاح کی شاہراہ پر لگ کر بھٹک گیا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے منزل کی خوش بختیوں سے محروم ہو گیا ، اور اس کے دامن میں بخت و نصیب کے راستہ کی گرد نہیں بلکہ شقاوت و بدبختی کی دھول ہوتی ہے

آج کی مجلس میں ہم ایسے ہی دو حرماں نصیبوں اور محروموں کی کہانی سناتے ہیں ، جو خدا کی توفیق سے نیکی کی راہ میں نکلے ، مگر ان کے کارواں کی رہبری تقویٰ و تقدس کے بجائے نفس پرستی اور شہوت رانی کے ہاتھوں میں چلی گئی ، اور وہ بدترین گناہ میں مبتلا ہو گئے ، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کعبہ کے راہی کلیسا میں کھو گئے ، اور بیت اللہ کے پجاری بیت الاصنام کی مجاوری میں لگ گئے ۔

یہ واقعہ ہمارے لئے اپنے اندر بہت ہی عبرت و موعظت رکھتا ہے ، اور ہمیں بتاتا ہے کہ اگر اللہ کی توفیق سے نیکی کا موقع نصیب ہو تو انجام کے نیک ہونے کی دعا کرتے رہنا چاہئے ، اور ہر وقت چوکنا رہنا چاہئے کہ ہمیں محرومی ہماری جانب راستہ نہ پائے ۔

علامہ ابن فضل اللہ عمری رح نے "مسالک الابصار فی ممالک الامصار" میں مسیحی کلیساؤں کے بیان میں لکھا ہے کہ کوفہ اور عیون حارہ (گرم چشموں) کے درمیان ایک مشہور گرجا ہے جس کا نام "دیر زرارہ" ہے ، بغداد سے حج کے جانے والوں کے بائیں طرف پڑتا ہے ، اس کے گرداگرد نہایت ہی حسین و جمیل مناظر ہیں ، آس پاس شراب کی دوکانیں کثرت سے ہیں ، یہاں پر رات دن شراب و کباب ، گانے بجانے اور عیاشی کا مشغلہ جاری رہتا ہے ۔

شابستی راوی کا بیان ہے کہ یحییٰ بن زیادہ اور مطیع بن ایاس نامی دو امیر کبیر حج کی نیت سے بغداد سے چلے ، چلتے چلتے یہ دونوں جب "دیر زرارہ" کے پاس پہونچے تو دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ شام ہو رہی ہے ، سامان سفر قافلہ کے ساتھ جانے دیا جائے ، اور ہم دونوں آج رات اسی گرجے میں گذاریں ، شراب پئیں ، اور مریم عذرا ، کے نام پر اس گرجے میں رہنے والی لڑکیوں سے دل بہلائیں ، پھر صبح کو اٹھ کر قافلہ کے ساتھ مل جائیں گے ۔

یہ مشورہ کرکے دونوں اس گرجے میں گھس گئے ، ادھر قافلہ کے تمام لوگ کعبۃ اللہ کی طرف بڑھے ادھر یہ دونوں بدبخت گرجے میں گھسے ،

اس کے بعد یہ دونوں حرام زندگی کی سرمستی میں کھو گئے ، اور خدا کی راہ میں نکل کر حرام کاری کرنے والوں کی بدبختی نے ایسا رنگ اختیار کیا کہ یہ دونوں پھر اس گرجے سے باہر نہ ہو سکے ، حتیٰ کہ حج کا زمانہ گذر گیا ، اور ان دونوں کے قافلہ کے لوگ حج سے فارغ ہو کر اسی راہ سے گذرے ، جب ان کم نصیبوں کو اس کی خبر لگی تو انہوں نے بھی سر منڈوایا ، اور قافلہ کے ساتھ سوار ہو کر بغداد کی راہ لی ، تاکہ دنیا سمجھے کہ یہ لوگ بھی ان ہی کے ساتھ حج سے واپس آ رہے ہیں

اس کے بعد مطیع بن ایاس نے اپنی اس بدبختی اور حرماں نصیبی پر حسرت کرتے ہوئے تین اشعار کہے ، اور آپ بھی انہیں سنئے ۔

ومن سری و طلبی اذ خرجنا — وکان الحج من خیر التجارة

خرجنا ابتغی خیر دین — فمال بنا الطریق الی زرارة

کیا تم نے مجھ کو اور یحییٰ بن زیادہ کو نہیں دیکھا کہ ہم دونوں نے حج کو بہترین سودا سمجھ کر حج کا ارادہ کیا

ہم گھر سے تو نیکی اور دینداری کی تلاش میں نکلے مگر راستہ نے ہمیں دیر زرارہ کی طرف پھیر دیا۔

فآب الناس قد غنموا و حجوا — وأبنا موقرین من الخسارة

تمام لوگ تو نیکی لوٹ کر اور حج کرکے واپس ہوئے مگر ہم دونوں محرومی اور نقصان کا بار گراں لیکر واپس ہوئے ، (مسالک الابصار طبع مصر صفحہ ۲۸۷)

اللہ تعالیٰ ہمیں حسن انجام کی نعمت سے محروم نہ فرمائے ، اور ہر نیکی میں وہ اختتام دے جو نیکی کو نیکی بنادے ، حدیث شریف میں آیا ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان زندگی بھر نیکی کا کام کرتا ہے ، مگر اس کا آخری وقت برائی میں گذرتا ہے ، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی زندگی بھر برائی کرتا ہے مگر آخر میں نیکی کر جاتا ہے ، جس کی وجہ سے اس کا انجام بدل جاتا ہے ،

دیکھو کہ یہ دونوں حج کی نیت سے گھر سے چلے ، مگر چونکہ دل میں تقویٰ کی روح اور خدا پرستی نہیں تھی اس لئے کعبہ کی راہ میں کلیسا کی نذر ہو گئے ، اور محرومی کے ساتھ گھر واپس ہوئے ، اور ان کے تمام ساتھی حج و زیارت کی دولت سے سرفراز ہوئے ،

اگر غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ اس کی اصل وجہ دل کی خرابی اور خدا ترسی کا فقدان تھا ، ان دونوں کے دل صاف نہیں تھے ، ان میں شہوت رانی اور حرام کاری کی خواہش تھی باقی تھی ، اور جب سامنے اس کا موقعہ آگیا تو اس میں منہمک ہو گئے ، اور اس مقصد کو بھول گئے جس کیلئے نکلے تھے ، بلکہ اپنا مقصد انہوں نے بدل دیا ، گھر سے حج کی نیت سے نکلے ، اور راستہ میں عیاشی کی نیت کر لی ، اے مسلمانو ! اللہ سے حسن نیت ، حسن انجام اور حسن کار کی دعا کرو ،

آج تم دیکھتے ہو کہ بظاہر بعض کام دین کے نام پر بڑی شان و شوکت سے اٹھائے جاتے ہیں ، بڑے بڑے منصوبے بنائے جاتے ہیں ، بڑی بڑی اسکیمیں چلائی جاتی ہیں ، اور نہایت ہی اعلیٰ پیمانے پر ان کا پروپگنڈا کیا جاتا ہے ، مگر انجام کار کی صورت حال نہایت ہی مایوس کن ہوتی ہے ، اور نتیجہ کے اعتبار سے معاملہ صفر کی حدود میں رہتا ہے ، اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کاموں کے کرتا دھرتا لوگوں میں حسن نیت نہیں ہوتا ، اور وہ ان کاموں کو اپنے کسی نہ کسی مفاد اور ذاتی اغراض کیلئے کرتے ہیں ،

کہیں شہرت کی شیطنت کام کرتی ہے ، کہیں عزت کا بھوت رقص کرتا ہے ۔ کہیں جاہ و جلال کی بھوک ہاتھ مارتی ہے ، کہیں مال و دولت کا خیال رنگ دکھاتا ہے ۔ اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ دین کا کام دنیا کی کدورات سے علیحدہ کرکے کیا جائے ، پس ان باتوں کا لازمی نتیجہ ناکامی و خسران کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ، اور ہزاروں ساز و سامان کے باوجود اصلی بات نہیں بنتی ہے ، اس لئے ضرورت ہے کہ دینی کاموں پر اہل اخلاص کا قبضہ ہو ، جن کے دل صاف ہوں ، جن میں خدا پرستی ، اور تقویٰ کی روح کارفرما ہو ، جو ہر کام میں اول و آخر للّٰہیت کو اپنا نصب العین بناتے ہوں ،

مسلمانو !

اسلامی احکام کی پابندی کرو

رحمۃ للعالمین کی بستی گلستانِ روح و نظر اور ادب گاہِ عالم ہے

(قاضی اطہر مبارکپوری)

ارباب دل کی دنیائے رنگ و بو،

دنیا میں ہر ملک اور خطہ کی آب و ہوا الگ الگ ہوتی ہے، اور اس کی وجہ سے وہاں کی خصوصیات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے آئیے آج ہم اور آپ چمنستان مدینہ اور گلزار طیبہ کی آب و ہوا کا اندازہ لگائیں، اور دیکھیں کہ اسلامی دل و دماغ کے سرور و فرحت اور تازگی بخشنے والی سرزمین میں جغرافیائی اور علاقائی اعتبار سے بھی کس قدر رنگ و بو کی فراوانی ہے، علامہ ابن رستہ الاعلاق النفیسہ میں تصریح فرماتے ہیں

وھی طیبۃ ولطیبھا قیل تفضل جنتھا و یتضوع طیبھا، دفی ماء غراھا و تو بتھا وحرف توابھا ونسیم ھوائھا، والنغمۃ التی توجد فی سکنھا وحیطا تھا دلیل علی انھا جعلت حرما (صفحہ ۹۹)

مدینہ منورہ کو طیبہ بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس کے باغات رنگ و بو اگلتے رہتے ہیں، اس کی خوشبو پھوٹتی رہتی ہے، اس کی دھول اور مٹی کی مہک میں، اس کی خاک کی بو میں، اس کی خوشگوار ہواؤں، اور اس کی بھینی بھینی خوشبو میں، جو مدینہ کے گلی کوچوں، اور در و دیوار میں محسوس کی جاتی ہے، اس حقیقت کی کھلی دلیل ہے کہ مدینہ منورہ حرم ہے، یہ تصریح کسی مناقب و فضائل کی کتاب میں نہیں ہے، کسی عاشق رسول نے اپنے ذوق و وجدان کی کیفیت نہیں پیش کی ہے، اور جذبہ محبت و عقیدت سے معمور ہو کر والہانہ رنگ میں یہ بات نہیں بیان کی گئی ہے، بلکہ ایک جغرافیہ نویس، تاریخ نگار، اور شہروں اور ملکوں کے تکوینی اور مقامی حالات کے لکھنے والے نے اسے بیان کیا ہے۔

اگر آپ بھی اس دنیائے رنگ و بو سے حصہ لینا چاہتے ہیں تو اپنے گلشن دل کو آمادہ کیجئے، اس میں انجذاب و اثر کی قوت پیدا کیجئے، عقیدت و محبت کے پھولوں میں شگفتگی اور ترو تازگی پیدا کیجئے، اور اتباع رسول سے اپنی روحانی بستی میں سبزی و شادابی برپا کیجئے۔

عاشقان رنگ و بو دشت و جبل کو رشک گلستان بنالیتے ہیں، صحرا نوردی کی ہر سانس کو شمیم جان نواز سے معمور کر لیتے ہیں، اور کانٹوں کی جبینوں پر بہارستان کی رنگینی دیکھتے ہیں، مگر عاشقان طیبہ کیلئے خود رنگ و بو کی فراوانی اپنا دامن پھیلائے ہوئے ہے، اور زبان حال سے ہر صاحب دل کو آواز دے رہی ہے،

تمتع من شمیم عرار نجد ۔۔۔ فما بعد عشیۃ من عرار

اس مقام کی روح افزا خوشبوؤں سے فیض حاصل کر لو، کیونکہ شام جدائی کے بعد پھر یہ خوشبو نہیں مل سکتی۔

پس اے رنگ و بو سے محروم خزاں نصیبو! آؤ چمنستان طیبہ کی برکتوں سے اپنے نصیب کو مالامال کر لو، کیا معلوم کب صبح زندگی کی شام ہو جائے، اور عرار مدینہ کی شمیم کی جاں نوازی سے محرومی ہو جائے، گلستان اسلام کی صبح بہاراں میں آنکھ کھولنے والو! کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بہار مدینہ سے محرومی کی حالت میں شام خزاں میں پہونچو، پس اس جنت رنگ و بو میں جاکر محرومی و نامرادی کے خطرات سے مطمئن ہو جاؤ۔

ادب گاہ رحمۃ للعالمین

خلیفہ اموی ولید بن عبد الملک مساجد کی تعمیر میں دیوانگی کی حد تک پہونچ چکا تھا، اس کی زندگی کا سب سے بڑا اور سنہرا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنے عہد کے پورے اسلامی قلمرو میں عالیشان مساجد کی تعمیر کرائی، جس وقت ولید کو مسجد نبوی شریف کی تجدید اور مرمت کا خیال پیدا ہوا تو روم کے بادشاہ کو لکھا کہ ہم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا تم راج گیر اور رنگ ریز یہاں بھیجو، چنانچہ رومی بادشاہ نے کاریگروں اور عمارتی سامانوں کو بھیجا، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جو اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے گورنر تھے، ۹۱ھ میں مسجد نبوی کو منہدم کر کے اپنی نگرانی میں نئی تعمیر شروع کرائی،

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ اسلام اور عیسائیت میں زور آزمائی ہو رہی تھی، ایک طرف خلافت اسلامیہ اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ عروج پر تھی، دوسری طرف رومی نصاریٰ کی طاقت اپنے تمام سامان کے ساتھ موجود تھی، اور دونوں میں مقابلہ ہو رہا تھا۔

اس وجہ سے ان نصرانی کاریگروں پر کڑی نگرانی ہوتی تھی، مگر ایک مرتبہ ان کو ایسا موقع مل گیا کہ مسجد میں کوئی نگراں نہ تھا، موقع پاکر ان میں سے ایک نے شرارت و نجاست کرنی چاہی اور کہا کہ میں مسلمانوں کے نبی کی قبر پر نعوذ باللہ فلاں کام کروں گا۔ (الا ابول علی قبر نبیھم) جب اس نے اس نجاست کیلئے تیاری کی تو اس کے ساتھیوں نے روکا۔

فلما ھم ان یفعل انتلع فالقی علی راسہ فانتثر دماغہ فاسلم بعض اولئک النصاری۔ (الاعلاق النفیسہ لابن رستہ طبع لیدن صفحہ ۶۹) مگر جب اس نے نہ مانا اور بیہودگی کرنی چاہی تو ایک بھاری پتھر اکھڑ کر اس کے سر پر اس زور سے گرایا گیا کہ اس کا بھیجا ریزہ ریزہ ہو کر چھٹک گیا۔ یہ عبرتناک حال دیکھ کر ان عیسائی کاریگروں میں بعض اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

نیز ان ہی عیسائی راج گیروں میں ایک بدبخت نے صحن مسجد میں قبلہ کی دیوار میں خنزیر کی صورت بنادی، جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو اس کی شرارت کی خبر ہوئی تو آپ نے اس کی گردن مار دینے کا حکم دیدیا۔ (الاعلاق النفیسہ صفحہ ۶۹)

یہود و نصاریٰ کسی بھی زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں بن سکتے، اور جب بھی ان کو موقع ملے گا اسلام کے خلاف شرارت کریں گے، زمانہ رسالت سے لیکر آج تک ان حریفوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جس جس رنگ میں صف آرائی کی ہے وہ تاریخوں میں درج ہے، پس کوئی زمانہ ہو، اور ان سے کتنی ہی دوستی ہو مسلمانوں کو اپنے رسول کے اس اصول کو نہیں بھولنا چاہئے،

اخرجوا الیھود والنصاری من جزیرۃ العرب

یہود اور نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دو

اے مسلمانو! عبرت و نصیحت کی نگاہ سے اس واقعہ کو دیکھو، اور سمجھ لو کہ رحمۃ للعالمین کے دربار میں کوئی شخص ادنیٰ گستاخی کر کے بچ نہیں سکتا، اور اسے سزا ملنی ضروری ہے، خوب یاد رکھو کہ کاشانۂ نبوت ادب گاہ عالم ہے، اور دنیا میں تہذیب و اخلاق اور آداب و عادات کیلئے اول و آخر درس گاہ ہے، یہاں پر چلو پھرو تو ادب کے ساتھ۔ اٹھو بیٹھو تو احترام کے ساتھ، اور ہنسو بولو تو سنجیدگی کے ساتھ، اور دربار رحمۃ للعالمین میں اس طرح اٹھو بیٹھو اور بات کرو گویا تم بھی حلقہ نشینان رسالت مآب میں ہو۔ اور معلم انسانیت کی درسگاہ کے طالب علم ہو،

منظفری اور علوی پر تین حاجیوں کا انتقال

۶ ار اکتوبر کو حاجیوں کا جہاز ایس ایس منظفری آیا، دوران سفر میں ایک شخص کا انتقال ہوا، ۷ ار اکتوبر کو علوی پہونچا، اس جہاز میں دو حاجیوں کا انتقال ہوا، جس کی تفصیل یہ ہے

منظفری میں (۱) مسماۃ فاطمہ زوجہ عزیز عمر ۷ سال ساکنہ قاتیپورہ سورت، سوراشٹر

علوی میں (۲) عنایت اللہ مولی عمر ۶۲ سال ساکن بھاوا ضلع گونڈا

(۳) ایم ایچ شاہد الحق عمر ۷۰ سال ساکن بشیر الدین منشی ہاؤس بنگال

ان مرحومین کے اسباب جہاز کے کپتان نے اپنے تحویل میں لے لیا تھا، بمبئی پہونچنے پر پورٹ حج کمیٹی بمبئی کے تحویل کر دیا، جس کو حج کمیٹی ان کے وارثوں کو پہونچائے گی،

اسلام اور اسلامی علوم، دینی تعلیم کی اہمیت اور علمائے دین کا منصب

از مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

اسلام اور اسلامی علوم :- اسلام اور علم دونوں لازم و ملزوم ہیں، اسلام کی تشریف آوری کا مقصد ہی انسانیت کے مقام کو بلند کرنا اور اس کی ایک ایک صلاحیت و استعداد کو اجاگر کرنا ہے اور اس کام کے لئے سب سے پہلے علم کی ضرورت ہے اگر انسان کے اندر علم و دانش کی قوت بیدار نہ ہوگی تو ہمیں اصلاح حال کا اثر کام نہیں کر سکے گا۔

اسی لئے پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بصاف الفاظ میں اپنی تشریف آوری کا مقصد ہی تعلیم قرار دیا ہے، آپ نے فرمایا ہے، "انما بعثت معلماً" (میں تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔) یہی وجہ ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام نے اپنی دعوت پر لبیک کہنے والے کے لئے علم کو ضروری قرار دیا اور انسان کی دونوں جنس مرد اور عورت پر پابندی عائد کردی، "طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة" (الحدیث) (علم دین کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کے اوپر فرض ہے۔

علمائے اسلام نے فرمایا کہ کم از کم اتنا علم تو ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے واجب ہی ہے جسکی وجہ سے وہ اسلامی مسائل اسکے اعمال اعتقادات اور اصول و فروع کی حقیقت تک پہونچ سکے اور اپنے طور پر دین کو سمجھ سکے اس حقیقت کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دینی کے پہلے دن سے لیکر آج تک مسلمانوں [illegible] لئے کم سے کم علم دین کو ضروری قرار دیا ہے اور جہاں کہیں دس بیس گھر مسلمان ہوتے ہیں وہاں [illegible] بچوں کی تعلیم کے لئے ایک مکتب یا مدرسہ قائم کر لیتے ہیں اس طرح وہ اسلام اور علم کے لازم و ملزوم ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔

اسلام میں علم دین اور علمائے دین کا کیا مقام ہے، ان کی کیا ذمہ داری ہے اور دین کے لئے علوم دینیہ کس درجہ ضروری ہیں ان باتوں کو سرسری طور پر معلوم کرنے کے لئے ہم ایک جلیل القدر عالم دین حضرت امام ابو بکر بن حسین بن عبد اللہ آجری متوفی ۳۶۰ھ کی کتاب اخلاق العلماء سے چند احادیث اور ان کی تشریح پیش کرتے ہیں۔

موجودہ دور میں دینی [illegible] کی [illegible]ت :- مسلمانوں نے علوم دین کی اس اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر [illegible] [illegible]م و تدریس کا سلسلہ قائم کیا اور اس ملک میں مسلمانوں کے چھوٹے بڑے مکاتب [illegible] [illegible]ادوں کی برکت ہے کہ آج ہم اس دور الحاد و بددینی میں مسلمان [illegible] [illegible] عزیمت سے ہمیں اپنی دینی زندگی کا احساس ہے، یقین جانئے اگر مسلمانوں نے اس ملک میں اپنی علمی اداروں کو قائم نہ کیا ہوتا تو انگریزی دور ہی میں یہاں سے نعوذ باللہ اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان ہی مٹ چکا ہوتا۔ اور ہم الحاد و بددینی کی رو میں بہہ گئے ہوتے۔

آج ہمارے ملک میں جو حالات چل رہے ہیں ان کے پیش نظر ہمیں انگریزی دور سے بھی زیادہ ہمت و عزیمت کے ساتھ دینی علوم کی طرف توجہ دینا ضروری ہے، موجودہ حکومت نے ہمیں پوری آزادی دی ہے کہ ہم اپنے دینی علوم کو پورے طور پر پڑھیں پڑھائیں، اگر ہم نے اس آزادی سے فائدہ نہ اٹھایا اور ذرا بھی غفلت کی تو ہماری موجودہ نسلیں نام کی مسلمان تو ہوں گی مگر کام کے اعتبار سے بالکل صفر ہوں گی اور اس ملک کے چار کروڑ مسلمانوں سے "لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" کی صحیح روح مفقود ہو جائے گی۔

پس آج درمندان ملت اسلام کا اولین فریضہ ہے کہ وہ اولین فرصت میں اسلاف رحمہم اللہ کی طرح گھر گھر اور محلہ محلہ دینی مکاتب و مدارس قائم کریں اور معصوم نسلوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے ذہن میں اسلام کا صحیح نقش ابھاریں تاکہ دین کے نقوش بڑھاپے تک "نقش کالحجر" کی طرح ثبت ہوں اس سلسلہ میں مذکورہ حقائق پر غور فرمائیے اور سوچ سمجھ کر فوراً علمی قدم اٹھائیے۔

علم دین افضل ترین عبادت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ما عُبِدَ اللّٰهُ بشیءٍ افضلَ من فقهٍ فی دینٍ ولَفقیهٌ واحدٌ اشدُّ علی الشیطانِ من الفِ عابدٍ ولکلِّ شیءٍ عمادٌ وعمادُ الدینِ الفقهُ" (اخلاق العلماء ص۱۲۱) - (تفقہ فی الدین کی عبادت سے بہتر اللہ کی کوئی عبادت نہیں ہے اور دین کا علم و فہم رکھنے والا ایک آدمی شیطان پر ہزار عابد دل سے بھاری ہے اور ہر چیز کا ستون ہوتا ہے دین کا ستون دین کی سمجھ ہے۔) تفقہ فی الدین یعنی دین کے حقائق و رموز اور مسائل و فتاوے کی سمجھ ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے دین علم کے ماہر ہوتے ہیں جن کی زندگی علم دین میں رنگ جاتی ہے اور روح و جسم کی کوئی حرکت دین کے خلاف نہیں ہوتی ما یہ تفقہ اور دین کا کام عبادت کی بنیاد ہے اسی سے تمام عبادات و اعمال کی بقا ہے پس علم دین کی مشغولیت افضل ترین عبادت ہے اس لئے دین کے فہم و ادراک کو ناشاہد و زاہد عالم دین کی عبادت کے مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتا، اور نا عالم عابد کے دل و دماغ پر شیطانی وسوسے برے اثرات ڈال سکتے ہیں مگر جس طرح پر

اسلام اور اسلامی علوم

بقیہ صفحہ اول

علم دین کے اسرار و رموز اور مسائل و حقائق کے نقوش ثبت ہوں اس پر کوئی شیطانی نقش نہیں ابھر سکتا۔ خوب سمجھنا چاہیئے اسلام کے عقائد و اعمال کا دارو مدار علم دین پر ہے ، جب علم دین کو فروغ ہوگا تو اسلام کے عقائد و اعمال کو بھی فروغ لازم ہے اور اس میں کمی ہوگی تو دین کے معاملات میں کمی آجائیگی۔

علم دین خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے: حضرت ابوہریرہ ، حضرت عبد اللہ بن عباس سے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (اخلاق العلماء صفحہ ۱۵) جسے اللہ تعالیٰ خیر سے نوازنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔

امت محمدیہ میں تفقہ فی الدین کا مقام بہت بلند ہے ، دین کی سمجھ خدا کی بہت بڑی نعمت ہے ، خوش نصیب ہیں وہ نفوس جو اس دولت سے نوازے گئے ہیں جسے یہ دولت مل گئی اسے کسی دوسری دولت کی ذرہ برابر حاجت نہیں ، جن افراد میں علم دین ہوتا ہے ان کے ساتھ فضل خداوندی شامل ہوتا ہے ، جن خاندانوں میں دینی علوم کا چرچہ رہتا ہے ان پر نسلاً بعد نسلاً انعام خداوندی ہوتے رہتے ہیں ، اور جن بستیوں میں دین کے علوم کے حاملین اور معلمین و متعلمین ہوتے ہیں وہاں پر خیر و برکت کی بہرہ داری رہتی ہے ان کے لئے دین و دنیا کی بھلائیاں ہوتی ہیں اور آخرت میں بھی سعادت و نیک بختی سے ان کو حصہ و اجر ملتا ہے ، اس طرح جس دور اور جس زمانہ میں علم دین کا چرچا ہوگا اس میں ہر طرح کی خیر و برکت ہوتی رہیگی

عالم دین کا مقام و منصب: مشہور عالم صحابی حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

وَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ ، اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ ، اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا ، اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ (اخلاق العلماء صفحہ ۱۲) یقیناً عالم کی فضیلت عابد پر چودھویں رات کے فضیلت کی طرح ہے تمام ستاروں پر ، یقیناً علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں ، انبیاء نے وراثت میں دینار و درہم کو نہیں چھوڑا ، بلکہ علم کی وراثت دی ہے اس لئے جو آدمی اس وراثت کو حاصل کریگا وہ بہت بڑا حصہ پا جائیگا۔

جن علمائے دین کی زندگیاں دین کے مسائل و معاملات میں گذرتی ہیں اور جو اپنے علم و تفقہ سے رات دن اسلام اور مسلمانوں کی دینی اور علمی خدمت کرتے رہتے ہیں ، وہ جسم ملت کی روح ہیں اسلام کی شاہراہ میں روشنی کے مینارے ہیں اور چمنستان دین کی سرسبزی و شادابی ہیں ، ان کی زندگی ہی عبادت ہے یقیناً ان کے مقابلہ میں عباد و زہاد کی وہی حیثیت کی ہے جو چودھویں رات کے چاند کے مقابلہ میں عام ستاروں کی ہے۔

علمائے دین اپنی رہبری میں دینی زندگی کے نوک پلک سنوارنے میں اور دینی روح کے بیدار کرنے میں انبیاء علیہم السلام کے جانشین ہیں اور ان پر وہی ذمہ داریاں ہیں جو انبیاء پر عائد ہوتی ہیں ، انبیاء کی طرح علماء دین کا اوڑھنا بچھونا بھی دین اور علم دین ہے ان کی پوری زندگی تعلیم و تعلم کی آئینہ داری کرتی ہے

انبیاء اور رسل دنیا میں دولت کمانے اور خزانے بٹورنے نہیں آئے تھے بلکہ خداوندی ہدایات و برکات کا خزانہ لٹانے کے لئے آئے تھے۔ آسمانی بخششوں کو زمینی باشندوں میں عام کرنے کے لئے آئے تھے اور خدا سے علم و حکمت لیکر بندوں کو دینے کے لئے آئے تھے اسی طرح عالم کا کام علم دین سیکھنا دنیا کمانا نہیں ہے بلکہ لوگوں کو آخرت کی دولت دینا ہے ، جب اُن کا دامن دولت عقبیٰ سے خالی ہوگا تو وہ دوسروں کو کیا دے سکیگا ؟ اس لئے عالم دین کو انبیاء علیہم السلام کی علمی و دینی دولت کو اپنانا چاہیئے اور اگر یہ دولت بھرپور مل گئی تو اس کے سامنے دنیا کی تمام تر دولت و ثروت ہیچ ہے اور یہی حظ وافر ہے۔ صحیح عالم دین کی پہچان اسکی علمی شان اور دینی آن بان ہے اسکے پاس اگر دنیا کی فانی اور … لت نہیں ہوتی تو دین کی دائمی اور روحانی دولت بہت زیادہ ہوتی ہے جب تک علماء اپنے مقام کو پہچانیں گے عوام بھی ان مقام کو پہچانیں گے۔

(بقیہ صفحہ ۱۲)